ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۴/ فروری ۹۶ء

☆ روزہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے : پیام صوم
☆ ترکی میں رفاہ پارٹی کی کامیابی --- لمحہ فکریہ : منبر و محراب
☆ کراچی --- زخموں سے چور چور' ہماری غفلت کی تصویر : مکتوب کراچی

حدیث امروز

فطری حلیف

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

پاکستان میں امریکہ کے نووارد سفیر تھامس ڈبلیو سائمنز نے پاکستان ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ امت مسلمہ کا فطری حلیف ہے۔ یہ انٹرویو گزشتہ ہفتے کے دوران حالات حاضرہ کے صبح کے پروگرام "سویرے سویرے" میں نشر ہوا۔ امریکی سفیر نے کہا کہ حالیہ برسوں میں پاک امریکہ باہمی تعلقات نشیبی رجحان کا شکار رہے ہیں مگر اب ان کی توقعات کے مطابق براؤن ترمیم پاک امریکہ تعلقات میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ براؤن ترمیم سے پریسلر ترمیم ختم نہیں ہوئی اور اس خطے میں ایٹمی اسلحہ اور میزائل ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کے بارے میں امریکہ کی تشویش بدستور قائم ہے۔ امریکی سفیر نے چاپلوسی کے موڈ میں کہا کہ اسلام کے جدید' منصفانہ' رواداراور جمہوری تشخص کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں میں پاکستان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان محض ایسا ملک نہیں جس کی آبادی مسلمان ہے بلکہ یہ پہلا ملک ہے جو اسلامی نظریئے کی بنیاد پر قائم ہوا۔ ساتھ ہی انہوں نے رمضان کے مقدس مہینے میں اپنی آمد پر خصوصی مسرت کا اظہار کیا کہ جس میں کروڑوں مسلمان اللہ تعالیٰ سے' اپنے خاندان اور ہم وطن بھائیوں کے ساتھ معاملات اور رشتوں کو استوار کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ بعض پاکستانی دانشور مسٹر سائمنز کی باتوں پر اتنے خوش ہوئے کہ ماہ رمضان کے تقدس اور پاکستان کے اسلامی نظریئے پر ان کے جذبات و احساسات کو سراہتے ہوئے تحسین کے طور پر کالم لکھ دیئے۔ ہم نے سوچا کہ ہم بھی اپنی بات کہہ ڈالیں۔ مسلمان اپنے بھولپن میں جلد نہال ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے راجندر سنگھ بیدی کو اس کی نعت گوئی پر خراج تحسین پیش کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے' حالانکہ جو شخص کسی اچھائی کو اپناتا ہی نہیں اس کی جانب سے اس اچھائی کا ظاہری تذکرہ منافقت نہیں تو کیا ہے' پھر منافقت پر داد کیوں؟

ہمیں براؤن ترمیم سے کیا اور کس قدر فائدہ پہنچ پائے گا' یہ ایک الگ موضوع ہے۔ سردست امریکی سفیر کا یہ بیان پیش نظر ہے کہ "امریکہ امت مسلمہ کا فطری حلیف ہے"۔ حلیف کہتے ہیں مددگار کو' وہ رفیق وہ ساتھی جس نے دوسرے کی مدد کی قسم کھائی ہو یا جنہوں نے ایک دوسرے کی امداد یا مشترکہ جدوجہد کا معاہدہ کیا ہو۔ حادثات زمانہ کے نتیجے میں لوگوں اور قوموں کے درمیان ایام گھومتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کا عروج اور کبھی اسی کا زوال۔ فی زمانہ امریکہ کی گڈی سربلند ہے اور خوب ٹنی ہے۔ وہ عالمی سطح پر یہود و نصاریٰ کا سرپرست ہے۔ اس کائنات کے خالق حقیقی نے مسلمانوں کو عرصہ دراز پہلے سمجھا دیا تھا کہ "اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے کی کوشش مت کرو' یہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا وہ پھر انہی میں سے ہو گا"۔ عالم الغیب والشہادۃ جل شانہ کی اس تنبیہ کی روشنی میں اب پاک امریکہ تعلقات کی تاریخ کے سنگ میل ملاحظہ کیجئے۔ پاکستان کے قیام کے تھوڑی ہی دیر بعد جب روس اور امریکہ دونوں نے پاکستان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو اس وقت کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان نے امریکہ کا ہاتھ تھامنا پسند کیا جس کے نتیجہ میں پاکستان امریکہ کا منظور نظر ٹھہرا۔ کئی معاہدے ہوئے اور فوجی ساز و سامان کی ترسیل شروع ہوئی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں پاکستان نے امریکہ اور چین کے درمیان تعلقات استوار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تو امریکہ نے پاکستان کو لائق اعتماد دوست قرار دیا۔ مگر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران پاکستانی فوجی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ ایمونیشن کے وہ کریٹ جن پر پاکستانی اور امریکی پنجے دوستی کی علامت کے طور پر آویزاں تھے لاہور سیکٹر میں کھیم کرن قصبے کے فتح ہونے پر وہاں پائے گئے۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء کے دوران مشرقی پاکستان پر بھارتی جارحیت کے عزائم واضح طور پر دکھائی دینے لگے تو امریکی حکومت نے پاکستان کو باور کرایا کہ امریکہ بحریہ کا ساتواں بیڑہ بھارتی جارحیت روکنے کے لئے آیا چاہتا ہے جو درحقیقت کبھی نہ آیا۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اے ایمان والو' تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہو۔

(کہ اگرچہ ایک جانب ہمارا دین بیویوں اور اولاد سے محبت اور حسن سلوک کی ہمیں تاکید کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہاں یہ حقیقت بھی کھول دی گئی کہ یہ محبت اگر اس حد تک بڑھ جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے آڑے آنے لگے تو انجام کار کے اعتبار سے اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ خطرے کی جھنڈی دکھا دی گئی کہ یہ وہ مقام ہے جہاں غیر محسوس طور پر قدم پھسل سکتا ہے للذا چوکنے اور ہوشیار رہو۔ احکام دین کو نظر انداز کرتے ہوئے ان محبتوں کا دم بھرنے والے آخرت میں ایک دوسرے سے اعلان بیزاری کریں گے)

اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دیا کرو تو اللہ بھی غفور و رحیم ہے○

(بیویوں اور اولاد کی محبت یقیناً ایک پہلو سے خطرے کا نشان ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ گھر میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگے۔ ہر غلطی اور کوتاہی پر ٹوکنے کی روش بھی نہایت غیر مناسب اور گھر کی پاکیزہ فضا کو مکدر کرنے کا باعث بنے گی للذا اپنے طرز عمل میں توازن اور اپنے گھر میں صحتمند فضا برقرار رکھنے کے لئے ان کی کوتاہیوں سے کسی وقت چشم پوشی بھی ضروری ٹھہرے گی۔ اور ذرا سوچو کہ جب تم خود ہر لمحے اللہ کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار رہتے ہو تو اپنے گھر والوں کے لئے عفو و درگزر اور رحمت و مودت کے دروازے کیونکر بند کرتے ہو!)

تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں' اور اللہ ہی کے پاس ہے بڑا اجر○

(مال و اولاد کی اصل حقیقت جاننا چاہتے ہو تو سن لو کہ یہ اصلاً ذریعہ آزمائش ہیں۔ انہی کے ذریعے تمہارا امتحان ہو رہا ہے۔ ان کی محبت اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و اطاعت کے دائرے کے اندر اندر رہی تو کامیاب ہوئے اور اگر ان حدود کو پھلانگ گئی تو ناکام قرار پائے۔ اولاد کی صحیح رخ پر تربیت کی اور انہیں نیکی اور تقویٰ کا پیکر بنا دیا تو تمہارے حق میں صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت' لیکن اگر خدانخواستہ صرف دنیاداری ہی کی تعلیم دی اور وہ بدی کے علمبردار بن کر اٹھے تو یہی اولاد وبال جان ثابت ہو گی' اور ہاں اپنی صلاحیتیں اور اپنے اوقات اللہ کے راستے میں لگاؤ کہ بہترین بدلہ تو صرف وہی دے سکتا ہے)

(سورۃ التغابن' آیات ۱۴'۱۵)

جوامع الکلم

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو قرآن سکھائے۔

(بخاری و مسلم)

(گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہترین کیریئر اس شخص کا ہے جس کا اوڑھنا بچھونا قرآن ہو' جس کے اوقات کار کا اکثر حصہ قرآن کو پڑھنے' سمجھنے' اور اس پر غور و فکر کرنے اور پھر دوسروں کو اس قرآن کی تعلیم دینے میں گزرتا ہو۔ ہم میں سے کون ہے جو اس فرمان نبوی کی روشنی میں اپنا کیریئر معین کرنے پر آمادہ ہے!)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۷
۱۴/ فروری ۹۶ء

4

مدیر : حافظ عاکف سعید
معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ـ اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶ ـ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳ ـ ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: محمد سعید اسعد   طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر ۱۴/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

ماہِ رمضان

فرمایا گیا "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' لوگوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی بنا کر۔ پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس ماہ کے روزے رکھے"۔ (البقرہ : ۱۸۵)

بے شک! صوم رمضان اور قرآن کا باہم بہت گہرا ربط و تعلق ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان اور ماہ رمضان کا بھی آپس میں کوئی مثبت تعلق ہے کیونکہ پاکستان بھی اس ماہ کی ۲۷/ تاریخ کو پہلی بار دنیا کے نقشے پر اس نام سے ابھرا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ پاکستان کا قیام مشیت ایزدی کا خصوصی مظہر اور عطیہ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس خطہ سے ایک خاص کام لینا مقصود ہے اور وہ کام ہے عالمی سطح پر احیاء اسلام کا آغاز۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو' لیکن جب ہم حالات و واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو صورت حال بالکل برعکس نظر آنے لگتی ہے اور دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگتے ہیں' مثلاً یہ کہ دنیا میں ہزاروں' لاکھوں بچے اس ماہ مبارک میں پیدا ہوتے ہیں ان میں یقیناً ایسے بھی ہوتے ہوں گے کہ پروان چڑھنے کے بعد انہیں دیکھ کر انسانیت اپنا منہ چھپا لے اور دھرتی ان کے بوجھ سے کانپ اٹھے۔ یہ ملک' مملکت خداداد پاکستان اب سے چند روز بعد ۲۷/ رمضان المبارک کو قمری حساب سے اپنے قیام کے ٹھیک پچاس برس پورے کر لے گی۔ جس طرح ہم قرآن کی زبان عربی سے نابلد ہیں اسی طرح چودہ سو سال سے رائج قمری حساب پر مبنی اسلامی کیلنڈر سے بھی یکسر نامانوس ہیں۔ اگرچہ (قمری حساب سے) پچاس برس ہو گئے' انگریز کو ہمیں "آزاد" کر کے گئے ہوئے مگر جس طرح سرکس کے جانور یا پنجرے کے پنچھی' پنجرے کے ہی ہو کر رہ جاتے ہیں ہم انگریز کے در کے ہو کر رہ گئے ہیں اور اس کا دیا ہوا کیلنڈر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بہرحال! کہنے کا مطلب یہ تھا کہ پچاس برس کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو آج کی دنیا کے دو عظیم ترین ممالک کو دیکھ کر ہو گا' یعنی جاپان اور جرمنی' جنہوں نے لگ بھگ اتنے ہی عرصے میں زمین سے اٹھ کر آسمان تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ اور بھی کئی ممالک ہیں' لیکن ہمارا جو حال ہوا ہے' کم و بیش ویسی ہی تیزی سے ہم نے پستی کی منازل طے کی ہیں۔ معلوم نہیں کس مٹی کے بنے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قوموں کی زندگی ہیں یہ کوئی بڑا عرصہ نہیں ہوتا' پاکستان کا مستقبل بڑا روشن ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

ماہ رمضان میں ہمارے ہاں مسجدوں کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ خوبصورت قالینوں اور دوسری پر آسائش اشیاء سے زیب و زینت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نمازیوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ مخیر حضرات صدقات اور خیر' خیرات کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ حصول ثواب کی خاطر ایسے اقوال اور روایات چھپوا کر تقسیم کرائی جاتی ہیں جن کے ذریعے ہر مسلمان کو جنت میں جانا آسان ہو جائے۔ سرکاری طور پر احترام رمضان کی پابندی الگ کرائی جاتی ہے جس میں دن کے اوقات میں برسرعام کھانے پینے کی اشیاء کی خرید و فروخت بند رکھی جاتی ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں جوش و خروش خاص طور پر دیدنی ہوتا ہے۔ بہت بڑی تعداد میں لوگ دن رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ سیرت اور شبینے کی محافل منعقد کی جاتی ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دوسری طرف ملک میں گینگ ریپ' کم عمر بچیوں پر جنسی تشدد اور ان کا قتل' اغوا' جبری آبرو ریزی اور قتل جیسے بھیانک جرائم بھی معمول کے مطابق جاری رہتے ہیں' جن کے بارے میں پڑھ کر ایک حساس شخص سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کیسی مسلمانی ہے؟ رمضان المبارک کی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کے خواہش مند حضرات کی توجہ کیوں ان گھناؤنے واقعات کی طرف نہیں جاتی۔ کیوں وہ اس پر بے چین نہیں ہو جاتے اور نہیں سوچتے کہ ع "یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین!"

اور کچھ ہو نہ ہو' پاکستان کے وجود میں آتے ہی حرام دولت کمانے کے راستے تو کیا شاہراہیں کھل گئیں۔ حدود و قیود کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ جعلی کلیم' جھوٹی الاٹمنٹیں' ناجائز قبضے' رشوت' لوٹ مار' چوری' ڈاکے سمگلنگ' منشیات' جسم فروشی' غرضیکہ کوئی بھی تو ایسا مکروہ دھندا نہیں جو یہاں پروان نہ چڑھا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ جرائم میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ انسانی جان کی سرے سے کوئی قدر و قیمت نہیں رہی اور ابھی نہ جانے یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ کیونکہ اس کے آگے کہیں بھی تو کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ترکی میں "رفاہ پارٹی" کی کامیابی ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے !

پاکستان کے حالات کو ترکی اور الجزائر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا

"حلالہ" کرنے اور کرانے والے پر اللہ کے نبیؐ نے لعنت کی ہے !

قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں

ترتیب و تسوید : نثار احمد ملک

امیرِ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۲ جنوری کے خطاب جمعہ سے ماخوذ

امیرِ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت پاکستان نے اپنے ۱۲ جنوری کے خطاب جمعہ کے آخری حصہ میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ترکی کے حالیہ انتخابات میں اسلام پسند "رفاہ پارٹی" کی کامیابی اور پاکستان میں ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کے حوالے سے "حلالہ" پر جو مذہبی حلقوں کی طرف سے بحث اور بیان بازی شروع ہو گئی ہے' اس پر بھی تبصرہ فرمایا تھا۔ ہم امیر تنظیم اسلامی کے مذکورہ خطاب کا متعلقہ حصہ معمولی سے حک و اضافے کے ساتھ قارئین "ندائے خلافت" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

برادر مسلمان ملک ترکی کے حالیہ انتخابات میں رفاہ پارٹی کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے' اگرچہ وہ قطعی اکثریت حاصل نہیں کر سکی لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے Single Largest Group کی حیثیت میں ابھر کر سامنے آ جانا بھی ترکی کے مخصوص سیاسی حالات کے پیش نظر بہت ہی خلاف توقع ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہاں کے عوام میں اب سیکولرزم کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ یہ ہر اعتبار سے ایک بہت خوش آئندہ بات ہے۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہمارے ہاں بعض حلقوں کی طرف سے اس کا جس طرح سے چرچا ہو رہا ہے اور جس طرح سے خوشی کا اظہار ہو رہا ہے' اس حوالے سے میں چند باتیں آپ کے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔ یہ واقعہ ایسا ہے کہ اس پر خوشی کا اظہار ہونا چاہئے لیکن چند باتوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی وہاں وہ قطعی اکثریت کی حامل جماعت نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ایک اور برادر اسلامی ملک الجزائر میں' وہاں کی دینی تحریک "نجات پارٹی" کو قطعی اکثریت حاصل ہو رہی تھی لیکن اس کے آگے بھی بند باندھ دیا گیا لہٰذا وہ جو انگریزی میں کہا جاتا ہے

"There is many a slip between the cup and the lip"

اس اعتبار سے ابھی منزل بہت دور ہے' ابھی "ہنوز دلی دور است" والا معاملہ ہے۔ ترکی میں حالیہ تبدیلی کو خوش آئند تو سمجھنا چاہئے اور welcome بھی کہنا چاہئے لیکن یہ کہ اس سے کوئی بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کر لینی چاہئیں' ہمارا اس پر جو اعزاز ہو رہا ہے' مجھے تو اس پر تو حسرت آمیزی کی کیفیت طاری ہے کہ اس وقت سب سے بڑا ملک پوری دنیا میں اسلام کے احیاء کے لئے پاکستان شمار ہوتا ہے۔ جب پاکستان بنا تھا تو منظر یہ تھا کہ ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے

جب قرارداد مقاصد منظور ہوئی تو پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا کہ بیسویں صدی کے وسط میں اسلام کا احیاء ہو رہا ہے۔ لیکن آج ہم کہاں سو گئے ہیں۔ اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ ہم صرف دوسری جگہ کوئی تبدیلی دیکھ کر خوشی منا لیتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔ ہمارا اپنا حال کیا ہے؟ بقول شاعر ع

یہ صور پھونک کے تم کہاں سو گئے آخر !

اس حوالے سے پہلی بات ہمیں یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ترکی کی یہ تبدیلی ہمارے لئے "reminder" کا درجہ رکھتی ہے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم خود کہاں کھڑے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس تبدیلی کا عالم اسلام میں' اسلام کی احیائی لہر سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صدی کی تیسری دہائی سے پورے عالم اسلام میں احیاء اسلام کی لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں ہیں۔ اس حوالے سے عالم اسلام میں اہم ترین ملک دو تھے یعنی عالم عرب میں مصر اور عالم عجم میں ہندوستان۔ افسوس اس بات پر ہے کہ اب مذکورہ دونوں ملک ہی اس اصل منزل سے بہت دور جا چکے ہیں --- عالمی سطح پر ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ دونوں پوری طرح نیو ورلڈ آرڈر کے شکنجے میں کسے جا چکے ہیں --- ہم بھی تین چوتھائی سے زیادہ نئے عالمی یہودی استعمار کے شکنجے میں جا چکے ہیں۔ ابھی ہمارے لئے تھوڑا سا سانس لینے کا موقع ہے۔ شاید یہ "جب تک سانس' تب تک آس" والی بات ہے۔ اس لئے کہ امید پر دنیا قائم ہے۔ ہم محنت کر رہے ہیں' کوشش کر رہے ہیں' چاہے وہ صدا بصحرا ہی ثابت ہو رہی ہو' چاہے وہ نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہو رہی ہو۔ لیکن قرآن حکیم کے مطابق "معذرۃ الی ربکم ولعلھم یتقون"۔ لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ مجوبی پارٹی کے نام سے ایک لہر انڈونیشیا

میں بھی اٹھی تھی' اس کے بعد پھر اس کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔ یہ بات شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ مجوسی پارٹی کی لہر بھی اب دوبارہ اٹھ رہی ہے۔ ایران میں فدائین ہوتے تھے' وہ بھی بالکل گم ہو گئے تھے۔ پھر ۱۹۷۹ء میں جو انقلاب ایران آیا ہے' یہ فدائین کے نام سے تو نہیں تھا لیکن اب تک اگر کسی ملک میں دینی عناصر کو کسی درجے میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی ہے تو وہ صرف ایک ملک ایران ہے۔ جبکہ اسلام کے حوالے سے سب سے زیادہ تہلکہ تو تحریک پاکستان میں مچا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم سب سے آگے ہوتے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اس کا سبب کیا ہے' ہم کہاں گم ہو گئے اور ہم سے کہاں غلطی ہوئی ہے؟ ہم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے!!

میرے نزدیک جو یہاں پر مذہبی جماعتوں نے انتخابات کا طریقہ اختیار کیا' یہی سب سے بڑا دھوکا تھا جو انہوں نے کھایا ہے! الجزائر کے سیاسی و مذہبی حالات کو سامنے رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہاں انتخابات کے ذریعے کامیابی ہو سکتی تھی۔ یہ بالکل دوسری بات ہے وہ امریکہ کے اشارے پر وہاں کی فوج نے سارے نتائج کے سامنے آڑ لگا دی۔ وہاں کامیابی اس لئے ہو سکتی تھی کہ آزادی کے بعد الجزائر میں سوشلزم پر مبنی نظام معیشت قائم ہو گیا تھا۔ وہاں پر "فیوڈل لارڈز" نہیں تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہاں کی مادری زبان عربی ہے۔ ہمارے ہاں جو جہالت کی وجہ سے مذہبی فرقہ پرستی ہے' وہ وہاں نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کی فرقہ پرستی تو جہلاء کی وجہ سے ہے! ننانوے فیصد لوگوں کو تو پتہ ہی نہیں کہ قرآن کس بلا کا نام ہے اور حدیث کیا چیز ہوتی ہے۔ لیکن جو بات وہ اپنے مولوی سے سنتے ہیں' وہی اس کے لئے قرآن ہے' وہی ان کے لئے حدیث ہے اور وہی کل دین بھی ہے۔ مولوی جو کہہ رہے ہیں وہی حرف آخر ہے۔ ان حالات میں فرقہ واریت تو یقیناً بڑھے گی۔ وہاں ایسا نہیں ہے۔ ان کی مادری زبان میں اللہ کا کلام ہے۔ مادری زبان میں حدیث موجود ہے۔ ہمارے اور ان کے مابین یہ دو بہت بڑے فرق ہیں کہ جن کو تجزیہ کرتے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے وہاں انتخابات کے ذریعے کامیابی ممکن تھی جبکہ یہاں ممکن نہیں ہے۔

اس طرح کا معاملہ ترکی کے اندر بھی ہے۔ ترکی میں یہ ہے کہ ایک قومیت' ایک زبان' لہٰذا وہاں ایک قومی یکجہتی پائی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ بڑی قریب کی تاریخ میں اسلام ان کے کلچر کے اندر پیوست رہا تھا۔ اس اعتبار سے وہاں بھی کچھ کامیابی ہو گئی ہے۔

ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کیا ہونا چاہئے۔ ہمیں اسلام کے احیاء کے لئے کونسی حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔ یہ بات میں نے بارہا عرض کی ہے کہ یہاں ایک عوامی تحریک کے ذریعے ہی انقلاب اسلامی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس تحریک کو کنٹرول کرنے کے لئے ایسے لوگوں پر مشتمل جماعت ہونی چاہئے جو خود اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں دین نافذ کر چکے ہوں۔ پھر وہ منظم ہو کر "نہی عن المنکر بالید" کے لئے میدان میں آ جائے۔ ایک عوامی' پرامن ایجی ٹیشن کے ذریعے ہی یہ کام ہو سکتا ہے۔ یہ کام نہ بیلٹ سے ہو گا اور نہ ہی بلٹ سے ہو گا۔ الجزائر میں وہاں کے انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے دلبرداشتہ ہو کر دوسری انتہا پہ چلے گئے۔ انہوں نے غلطی یہ کی ہے کہ وہ "بلٹ" کی طرف چلے گئے ہیں۔ اس سے وہاں کچھ حاصل نہیں ہو رہا بلکہ الٹا نقصان ہو رہا ہے۔ مصر میں بھی "جماعت الاسلامیہ" کے بہت

> "علماء نے حالات کے تقاضوں سے کچھ مجبور ہو کر' دباؤ کے تحت اس قسم کی رعایتیں لوگوں کیلئے پیدا کی ہیں لیکن یہ چیزیں ہماری کتاب قانون کا مستقل جزو نہیں بن سکتیں"

نیک لوگ ہیں' بہت مخلص لوگ ہیں۔ میں نے ۱۹۷۹ء میں چند دن ان کے ساتھ گزارے تھے۔ میں ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ ہمارے ہاں مذہبی جماعتوں کے جو حوالے سے معیارات ہیں' اگر اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارے ہاں کی جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کو جمع کر لیا جائے اور پھر اوسط نکالی جائے تو وہ مصر کی "جماعت الاسلامیہ" بنتی ہے یعنی اپنے اندر ان دونوں جماعتوں کے اوصاف جمع کئے ہوئے ہے۔ وضع قطع' لباس' مسواک' یہ ساری چیزیں آپ کو تبلیغی جماعت والی ملیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ جوش اور جذبہ اور انقلابی جدوجہد' یہ جماعت اسلامی والی ملیں گی۔ یہ اوصاف ہمارے ملک میں کسی اور جماعت کے ارکان میں نظر نہیں آتے۔ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے لہٰذا اب وہاں پر بھی دہشت گردی کی طرف رجحان تیز ہو رہا ہے۔ یہ لوگ اب تشدد آ کے راستے پر آ گئے ہیں۔ یہ راستہ بھی منزل کی طرف نہیں جاتا۔ میرے نزدیک ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے غیر متشددانہ' پرامن' منظم مزاحمتی تحریک کا راستہ۔ جسے دینی اصطلاح میں "نہی عن المنکر بالید" کہا گیا ہے۔ ایک ایسی تحریک کہ جس سے نہ کسی کی جان کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی کسی کے مال اور پراپرٹی کو نقصان پہنچایا جائے۔ منظم جماعت کے کارکن اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ آج سے سترہ سال پہلے یہ کام ایرانیوں نے کر کے دکھا دیا ہے۔

ترکی کی رفاہ پارٹی کی قیادت جناب نجم الدین اربکان کے ہاتھوں میں ہے۔ اربکان صاحب کے بارے میں میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔ میں نہ کبھی ان سے ملا ہوں اور نہ ہی ان سے میرے کسی بھی قسم کے مراسم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکی میں میرا زیادہ آنا جانا نہیں رہا ہے۔ میں صرف ایک مرتبہ ترکی گیا ہوں۔ انہی دنوں ایک مضمون ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا چھپا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود بھی خاصے لبرل مسلمان ہیں۔ ان کے ہاں جو اسلامی اقدار ہیں' وہ وہی ہیں جو وہاں ترک عوام کے اندر پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا کہ "یا رسول اللہ" کا نعرہ جب وہ لگاتے ہیں تو اس جوش و خروش سے لگاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی روح کی گہرائیوں سے نکل رہا ہے۔ یہ چیزیں ہیں کہ جس کو عام طور پر ترکی میں مسلم فنڈامنٹلزم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہ اللہ کرے یہ لبرل اسلام' اصل اسلام میں تبدیل ہو جائے۔ اگرچہ جناب اربکان صاحب نے کہا ہے کہ وہ عالم اسلام کو متحد کریں گے لیکن ایک تو اہل تشیع سے انہیں شدید نفرت ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کو اس درجے ان سے بعد ہے تو آپ پھر اتحاد کیسے کریں گے وہ خاموش ہو گئے۔ اربکان صاحب کے پاس اس کا جواب کوئی نہیں تھا۔ یہ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی روایت ہے۔ بہرحال یہ چیزیں اہم ہیں ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے۔

آج کی اس گفتگو میں جو آخری بات میں نے عرض کرنی ہے وہ حلالہ کے بارے میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چند باتیں اس حوالے سے بھی آپ سے عرض کر دوں۔ دیکھئے حلالہ کے بارے میں جو قرآن مجید میں اصول ہے وہ تو سیدھا سادھا اصول ہے۔ اگر کسی خاتون کو اس کے شوہر نے آخری طلاق دے دی ہو یعنی وہ تیسری طلاق ہو۔ اب اس میں وہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی گئی ہیں یا علیحدہ علیحدہ' ایک

ایک مہینے یا دو دو مہینے یا تین تین مہینے کے وقفے سے دی گئیں ہیں' یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ اس وقت طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو خواہ مخواہ حلالہ کے ساتھ الجھا دیا گیا ہے۔ تین طلاقیں چاہئے بیک وقت دی گئی ہوں' چاہئے وہ مختلف اوقات میں دی گئی ہوں'

> "یہ بات میں نے بارہا عرض کی ہے کہ یہاں ایک عوامی تحریک کے ذریعے ہی انقلاب اسلامی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس تحریک کو کنٹرول کرنے کے لئے ایسے لوگوں پر مشتمل جماعت ہونی چاہئے جو خود اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں دین نافذ کر چکے ہوں"

چاروں ائمہ کے نزدیک وہ مغلظ بن گئی' لہٰذا اب شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ سب کے نزدیک مغلظ ہو گئی۔ وقفے وقفے سے دی گئی تین طلاقیں تمام کے نزدیک مغلظ ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اہل تشیع کے نزدیک بھی مغلظ ہو جاتی ہے اور اہل حدیث کے نزدیک بھی مغلظ ہو جاتی ہے۔ اب اس صورت میں کیا کیا جائے؟ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ راستہ کھولا ہے۔ اگر وہ تیسری طلاق بھی دے دے۔ "فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى ينكح زوجا غيره" تو پھر اب یہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی اور شخص سے اس کا نکاح نہ ہو۔ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت میں آگے آتا ہے "فان طلقها" پھر اگر وہ شخص بھی اس کو طلاق دے دے تو "فلا جناح عليهما ان يتراجعا" تو اب کوئی حرج نہیں ہو گا ان دونوں پر یعنی اس عورت پر اور اس کے سابق شوہر پر کہ وہ رجوع کر لیں اور دوبارہ آپس میں نکاح کر لیں۔ آگے فرمایا کہ "ان ظنا ان يقيما حدود الله" اگر انہیں یہ گمان ہے کہ اب ہم صحیح طریقے سے رہ سکیں گے' ایک دوسرے کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کر سکیں گے۔ اللہ کے حدود کی پابندی کر سکیں گے۔ آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے کہ "وتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون" یہ اللہ کے حدود ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ واضح کر رہا ہے' ان لوگوں کے لئے کہ جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیت کے ترجمہ سے آپ کو اندازہ ہوا ہو گا کہ یہ اصل میں ایک سیدھی سی بات بطور سزا کہی جا رہی ہے کہ کوئی شخص آخری طلاق دینے سے پہلے سوچ لے کہ پھر یہ عورت میرے لئے حرام ہو جائے گی جب تک اس کا پھر کہیں نارمل حالات میں نکاح نہ ہو جائے اور اسی طرح نارمل طریقے سے اس کو کہیں طلاق نہ ہو جائے۔ اگر طلاق ہو جائے تو پھر امکان ہو جائے گا کہ میری اس کے ساتھ شادی ہو جائے ورنہ نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف Check and balance کے لئے تھا۔ اب اگر اس کو کوئی شخص طے کر لے کہ میں یہ غلطی تو کر بیٹھا ہوں۔ چاہئے وہ تین طلاقیں ایک وقت میں دی ہیں' چاہے وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت دی ہوں' یہ ایک الگ بحث ہے' لیکن طلاق مغلظ ہو گئی۔ اب اگر وہ کسی شخص سے کہہ کر کہ بھائی اب یہ میرے لئے مصیبت ہے' قرآن نے یہ راستہ نکالا ہے' تم میری بیوی سے نکاح کر لو اور پھر تم طلاق دے دینا تاکہ میں اس سے دوبارہ نکاح کر لوں' اس عمل کو "حلالہ" کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے کہ "لعن الله المحلل والمحلل له" اللہ نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو حلالہ کے لئے کسی سے نکاح کرے اور اس پر بھی جو حلالہ کروائے۔

یہ بات میں نے بارہا کہی ہے کہ فقہ میرا موضوع نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل مختلف مکاتب فکر کے علماء سے گفتگو بھی کی ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پانچویں صدی تک اس مسئلہ کا وجود تک نہ تھا لیکن یہ تو پانچویں صدی میں فتاویٰ قاضی خاں میں کہا گیا کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے' اس سے کسی کا گھر آباد ہوتا ہو' لوگوں کی مشکل حل ہوتی ہو تو کوئی حرج نہیں کہ حلالہ کروا لیا جائے!! یہی بات بعد میں "فتاویٰ شامی" کے اندر علامہ شامی نے تیرھویں صدی میں لکھ دی لہٰذا ہمارے وہ علماء جو صرف ان فتاویٰ کے حوالے سے دین کو جانتے ہیں' وہ تو اب اس کے اوپر اڑے ہوئے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے جواز کی کوئی صورت قرآن و سنت سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ چاروں ائمہ اور امام بخاری کے ہاں اس مسئلے کا جواز تو الگ وجود تک نہیں ہے۔ یہ مسئلہ پیدا ہی پانچ سو برس بعد ہوا

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

حلالہ --- ایک بریلوی' حنفی عالم دین کا موقف

بریلوی مکتب فکر کے معروف عالم دین' فیڈرل شریعت کورٹ کے سابق جج پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری اپنی معروف تفسیر "ضیاء القرآن" میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔ یہ ہے قرآن کریم کا واضح ارشاد جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ آج کل اس کا حل حلالہ کی باعث نفرین صورت میں تلاش کر لیا گیا ہے۔ اس کے متعلق حضور نبی کریمؐ کا یہ حکم پیش نظر رہے "لعن الله المحلل والمحلل له" ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لئے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔ رکوع کے آخر تک جتنی آیتیں ہیں ان میں مکرر سہ کرر تاکید کی جا رہی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح اسے ستانے اور دکھ دینے کے لئے نہ کرو بلکہ انہیں آباد کرنے کے لئے کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کیا کسی عوض کے لئے اس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہو سکتی ہے"۔

(ضیاء القرآن' جلد اول صفحہ ۱۵۹)

روزہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے!

بندۂ مومن کا نصب العین نظام عدل اجتماعی کے قیام کی جدوجہد ہے

مومن اپنے نصب العین کو کسی حال میں فراموش نہیں کر سکتا

حق و باطل میں پہلی معرکہ آرائی ماہِ صیام میں ہی ہوئی!

روزہ راہِ حق میں آنے والے مصائب پر صبر کے لئے تربیتی کورس ہے

حبیب اللہ شاہد

باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ امسال اس نے ہماری زندگیوں میں رمضان المبارک کی سعید ساعتیں نصیب فرمائیں۔ گزشتہ برس جب یہ روح پرور لمحات آئے تھے تو ہم میں کئی ایسے لوگ موجود تھے جن کی حیات رشک حیات تھی اور جن کی مسعری میں جادۂ منزل اتنی پرخارنہ لگتی تھی۔ آج وہ ہم میں موجود نہیں لیکن روح کو بالیدگی بخشنے والی ان کی یادیں ہم میں موجود ہیں۔ لاریب ہر آنے والا سانس ہماری ساعت زندگی کو بھی لمحہ بہ لمحہ کم کیے جارہا ہے کسے خبر جب اگلے برس یہ ماہ مقدس آئے تو ہم بھی اپنے بچھڑے ہوئے جیوں کی طرح اپنے چاہنے والوں میں موجود نہ ہوں۔

برادران ملت! ماہ و سال کی منازل برق رفتاری کے ساتھ طے ہوتی جاری ہیں چنانچہ یہ چند روزہ فرصت مل ہی گئی ہے تو اسے کھیل تماشوں میں کیوں ضائع کیا جائے۔ آئیں ہم سب مل کر اپنے رب کے حضور دعاگو ہوں کہ وہ ہماری ناتواں زندگیوں کی شکستہ عمارت کو از سر نو محکم بنیادوں پر استوار کرنے میں ہماری مدد فرمائے اور ان طویل و منجمد راتوں میں ہماری گئی گزری عبادتوں کو شرف قبولیت عطا کرے انجماد سے گداز تک کی طویل منازل اس طرح طے کرا دے کہ بے قرار روح کو ہمیشہ کے لئے اطمینان حاصل ہو جائے اور اطمینان بھی ایسا کہ جب رخت سفر کی گھڑی سر پر آن پہنچے تو ہیجانی کیفیت کے بجائے وہ حالت ہو جس کی آرزو ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے اور جسے قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔ "یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" (الفجر) اے ایمان پانے والی روح اپنے پروردگار کی جانب لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ آیئے اس ماہ کی مبارک ساعتوں اور تطہیر و پاکیزگی کے ان موقعوں کو اپنے رگ و پے میں سمونے کی اس طرح سعی کریں کہ روح کے داغ دھل جائیں لیکن یہ اسی طور پر ممکن ہے جب ہم اس بے مثل آئین حیات (القرآن) سے حقیقی آگاہی حاصل کر کے اس کی ایک ایک شق پر عمل کرنے کی بھی خلوص نیت کے ساتھ سعی کریں'

> "تمام مسلمان جان لیں کہ روزوں کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان ہر لمحہ ایک مجاہد کی زندگی بسر کرنے کی سعی کرے تاکہ خدا کے اقتدار (قرآنی اصولوں پر مبنی حکومت) کو قائم کرنے میں اسے آسانی ہو"

جو فرد واحد کی ذات پر دامن رحمت وسیع کرتا ہوا "الناس" کو امن فراہم کرنے کی ٹھوس ضمانت دیتا ہے۔

یہ ماہ مقدس دین اسلام کے فلسفہ حیات کا حاصل المحصول ہے' چنانچہ اسے ماہ مبارک کہا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ اہل ایمان تمام اطراف سے بے تعلق ہو کر اپنا رخ اپنے پروردگار کی جانب موڑ کر اس کی رضا کے لئے جسمانی تکالیف بخوشی برداشت کر کے روزے رکھتے ہیں۔ یہ ماہ انقلاب بھی ہے کہ اس ماہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایسے بے مثل ضابطہ حیات کا نزول ہوا جس نے انسان کی تاریخ عمرانی میں ایسا انقلاب برپا کیا جس کی نظیر آج تک کوئی بھی انقلاب پیش نہیں کر سکا۔ یہ ماہ سعید بھی ہے کہ لیلۃ القدر اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے اور پاک اس لئے کہ اسی ماہ کی ایک مبارک شب نور کی کرنیں پھوٹیں اور ایک خطہ ارض کو ضیا پوش کر گئیں جسے ہم پاکستان کہتے ہیں' نیز یہ ماہ تشکر بھی ہے کہ اہل ایمان جب اللہ کے وعدے کے مطابق نیابت الٰہی کے حقدار قرار پاتے ہیں تو شکر کی ادائیگی کے لئے یوم عید مناتے ہیں کہ وہ "مغضوب علیھم" کے گروہ میں شمار ہونے سے بچ گئے اور اس گروہ میں شامل ہو گئے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنا انعام' امن' آسودگی' معاشی خوش حالی اور انصاف و عدل کی بنیادوں کی صورت میں ان کے معاشروں پر نازل کرتا رہا ہے۔ یہ محض حسن اتفاق نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ اس ماہ مبارک کے یہ مسعود یوم تسبیح کے دانوں کی طرح آپس میں پروئے ہوئے ہیں اور اپنے پس منظر میں ایسی پیش بندی پر مبنی حکمت عملی لئے ہوئے ہیں جسے مسجد و محراب میں بیان کرنے سے نہ جانے کیوں پہلو تہی کی جاتی ہے۔

آپ کے علم میں یہ واقعہ ضرور ہوگا کہ نینوا کے نمرود اور بابل کے بخت نصر نے جب یہودیوں کو تاراج کیا تو ہیکل میں توریت کا صرف ایک نسخہ تھا جسے ہر ساتویں برس یہودی صرف سن لیا کرتے تھے۔ بالکل

اسی طرح، جیسے آج ہم ہر سال تراویح کی شکل میں قرآن کو محض سن لیا کرتے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ انقلاب کا پیامبر یہ مہینہ ہمارے لئے محض چند رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ شبینوں اور تراویحوں میں گو کہ بعض قرا حضرات کی خوش الحانی سننے والوں پر وجد طاری کر دیتی ہے لیکن عموماً ان محافل میں قرآن اس قدر برق رفتاری کے ساتھ تلاوت کیا جاتا ہے کہ مقتدی یعلمون اور تعلمون کی آواز پر ہی جھٹکا کھاتا ہے کہ قاری صاحب نے کوئی آیت ختم کر لی ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ نہ تو قراء حضرات کو تلاوت کی جانے والی آیات کا مفہوم پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی خوابیدہ مقتدیوں کو ان آیات کے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ محافل ہر سال کسی مقصد کو حاصل کئے بغیر ختم ہو جاتی ہیں اور نزول قرآن کا اصل مقصد یعنی بنی نوع انسان کی رہنمائی اور عمرانی زندگی کے قواعد و ضوابط سے آگاہی اور نفاذ کے طریقے نہ تو سمجھے جاتے ہیں اور نہ ہی سمجھائے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں تراشنا چاہئے کہ صدیوں سے جاری جمود اور تعطل کے باعث ملت بیضا میں نماز، روزہ، قربانی اور حج جیسے جلیل المقاصد اعمال جنہوں نے کبھی ہمیں دنیا کی امامت کا منصب عطا کیا تھا اپنی اصل روح سے تہی ہو چکے ہیں۔

نماز و روزہ حج قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

لہٰذا ماہ رمضان میں اس حیات مجموعہ قواعد و ضوابط (جس کا ایک ایک حکم دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے) کا اس طرح سے پڑھا جانا قرآن کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اللہ تعالیٰ نے روزوں سے متعلق مضمون سورۃ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اصل حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اسے ہمارے روزوں کی قطعی ضرورت نہیں بلکہ اس میں خالص ہمارا ہی فائدہ ہے اور اس فائدے کے حصول کے لئے اتنا زور دیا گیا ہے کہ مسافر اور بیمار حضرات کے لئے بھی تاکید کی گئی ہے کہ وہ سفر سے واپسی اور صحت مند ہونے کے بعد روزے رکھیں۔ صوم دراصل ایک ایسی اصطلاح ہے جو عربوں کے ہاں ایک خاص جنگی تربیت کے لئے مستعمل تھی اور جس میں سخت جسمانی مشقت کو ایک نہایت خاص اہمیت حاصل ہوئی تھی۔ صبر آزما، کٹھن اور سخت مشکل جنگی تربیت ہی وہ اصل راز ہے جو قوموں کی بقا کی ضامن ہوتا ہے چنانچہ لیگ آف نیشنز نے معروف اصطلاح "قوم" کی جو تعریف مقرر کی تھی وہ یہ تھی کہ ایک ایسا معاشرہ جسے جنگ کے لئے منظم کیا جائے قوم کہلاتا ہے۔ نیز مغرب کے مدبرین و مشاہرین نے بھی جنگ کو حیات انسانی کا ایک اصول ثابتہ اور انسانی فطرت کا لازمہ قرار دیا ہے۔ مثلاً مسولینی نے جنگ کو مفاہمت سے زیادہ اخلاقی شے قرار دیا۔ رسکن نے بھی اقرار کیا کہ انسان کے تمام اخلاق اعلیٰ اور صلاحیتوں کی بنیاد جنگ ہے، ہنرک ہاسے (Heinrich Hauser) کا قول تھا کہ زندگی درحقیقت اس قوت کا نام ہے جو از خود اپنی تجدید کرتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب امن کے نام پر فریب خوردہ لوگ اپنی بقا کے لئے بربریت پر اتر آتے ہیں۔ نیز ڈاکٹر لے نے بھی کہا ہے کہ جو اقوام ہمیشہ امن میں رہتی ہیں ان میں مردانگی کے جوہر ختم ہو جاتے ہیں۔ بقائے اقوام کے لئے جنگی تربیت اور از خود جنگ کس قدر اہم ہے اس حقیقت سے اہل مغرب انیسویں صدی میں واقف ہوئے لیکن کم و بیش پندرہ سو برس قبل نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو خصوصی طور ہمہ وقت جہاد کی تیاری کے لئے تاکید فرمائی۔

> "مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے وطنیت، قومیت اور نسلیت کا بت جسے بدبخت انسان نے ہزارہا سال کی محنت کے بعد تراشا تھا ایک حکم سے ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کی جگہ عالمگیر اخوت کے تصور کو جلا دی گئی"

لفظ صوم کو اس پس منظر میں ملاحظہ فرمائیں تو آپ کی حکمت کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا جنہوں نے نہ صرف ماہ رمضان بلکہ اسلامی تقویم کے دیگر مہینوں کے ایام میں بھی روزے رکھ کر امت کو درس دیا وہ ہر لمحہ اپنے آپ کو جہاد کی تربیت کے لئے مصروف کار رکھے۔ مسلم و بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ہر ماہ کے آخری ایام میں روزے رکھا کرتے تھے اور نبی کریم شوال، محرم، شعبان اور ذوالحج میں بھی روزے رکھا کرتے تھے۔ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ سوموار اور جمعرات کے روزوں کا قصد فرماتے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے روزوں سے متعلق مفصل بیان سورۃ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "مومنو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں (امتوں) پر فرض کئے گئے تھے"۔

صوم (روزے) کا مقصد جنگ تربیت ہے جو بقائے ملت کی ضامن ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بنی اسرائیل کو بھی دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں یہودی عاشورہ کے روز روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ کے استفسار پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اس دن بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی تھی لہٰذا یہ یہودی غلامی سے نجات کی اس خوشی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اور شکران نعمت کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اس دن روزہ رکھیں۔ یہ ہمارے لئے بھی باعث مسرت ہے کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ آپ کا یہ فرمان کس قدر اہم ہے اس کا اندازہ کبھی کیا ہی نہیں گیا۔ نبی کریم نے مسلمانوں کو یہ درس عظیم دیا کہ غلامی سے کسی قوم کی نجات نہ صرف اس مخصوص قوم بلکہ ساری بنی نوع انسان کے لئے شادمانی کا سبب ہونی چاہئے اس لئے کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا غلام بنائے رکھے چہ جائیکہ پوری قوم کو غلامی میں مبتلا رکھا جائے۔ لیکن اصل بات جسے ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ غلامی سے نجات محض تبلیغ دین یا واعظ کی مزین و مرقع تقاریر سے نہیں ہو جاتی اس کے لئے بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں اور بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں پھر جا کے یہ گوہر نایاب میسر آتا ہے۔ بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات کی روداد قرآن میں بڑے ناصحانہ انداز میں بیان کی گئی ہے ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل کی وہی حالت تھی جس سے کہیں آگے آج ہماری حالت ہے لہٰذا آئین فطرت کے مطابق ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بنا دی گئی۔ صدیوں پر مشتمل غلامی کی ان ذلیل گھڑیوں نے بنی اسرائیل کی حالت اور بھی دگرگوں بنا ڈالی۔ ایسے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغامبر بلکہ تشریف لائے انہوں نے بنی اسرائیل کو بے وطنی و غلامی کی زندگی سے نکالا اور طور سینا کی وادی میں لا بسایا۔ جب

آپ بے وطنی کی اس عارضی کیفیت میں مبتلا بنی اسرئیل کو آسمانی تختیاں سونپ کر موآب کی سرزمین میں آسودہ ہوئے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی آل اولاد کے بارہ اسباط و خانوادے موجود تھے۔ یہ وہ بارہ اسباط تھے جنہیں حضرت موسیٰ نے اپنی شریعت کا محافظ و نگران ٹھہرایا تھا۔ لیکن ان بارہ سبطوں میں سے ایک دو نہیں پورے دس اسباط جس پستی میں مبتلا تھے مزید تنزل کا شکار ہوتے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی چہیتی قوم کی اس تنزلی پر نہایت رحم آیا اور اس نے ایک دو نہیں بلکہ بیک وقت تین انبیاء یعنی حضرت موسیٰ ؑ، حضرت ہارون ؑ اور حضرت شعیب ؑ بنی اسرائیل میں مبعوث کیے لیکن ان تمام کی کوششیں رائیگاں گئیں اور یہ اسباط اپنی پستی سے نکلنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوئے چنانچہ خدا کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا اور اس طرح برسا کے بعد ازاں ان اسباط کے ساتھ نینوا کے نمرود اور مثلی نصر اور اس کے فرزند سرگون نے ایسا سلوک کیا کہ آج ان دس اسباط کی نسل کا دنیا بھر میں کہیں پتہ نہیں۔ جو بدمست اقوام اپنی حالت کی تبدیلی کے لئے کوششیں نہیں کرتیں بالآخر ان کا انجام تباہی و بربادی ہی ہوتا ہے۔ بہرحال یہ وہ حالات تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو حکم دیا کہ ان کو ان کی غلاظت میں پڑا رہنے دو لیکن جو نوجوان عارضی بے وطنی کی کیفیت سے نکل کر حقیقی معنوں میں آزادی کے خواہاں ہیں اور شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کی تلاش کرو اور بہترین تربیت کرو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر کمان نوجوانوں کی نہایت پر مشقت جنگی تربیت کا آغاز ہوا اور پھر الہامی کتب نے بھی گواہی دی کہ وہ بنی اسرایل جو اپنے پر مسلط اقوام کے افراد کے سائے سے بھی لرزاں رہتے تھے ایک ہی حملے میں ان اقوام کو تاراج کرتے چلے گئے اور بالآخر ارض موعود میں فاتحانہ شان سے داخل ہو گئے۔ لازوال ایمان، کردار کی پختگی، جفاکش زندگی، منزل مراد کو پا لینے کی جستجو، بے خوف نتائج سے بے پروا جدوجہد اور استقامت وہ عناصر تھے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برسوں کی محنت کے بعد ان نوجوانوں میں پیدا کئے تھے چنانچہ فرعون سے نجات اور وعدے کی سرزمین پر دوبارہ قدم رنجی اللہ کی جانب سے ان کے لئے بیش بہا انعام تھی اور ان پر مسرت ساعتوں کی یاد میں تشکر کے طور پر روزے رکھنا بنی اسرائیل نے موجب فخر گردانا۔ سورۃ بقرہ کی اس آیت (مومنو تم پر روزہ فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے) سے پتہ چلتا ہے کہ صوم کا تربیت جہد سے کس قدر گہرا تعلق ہے۔ یہ جہد کس انداز میں آگے بڑھی اسے جاننے کے لئے ہمیں اولاد ابراہیم ؑ کے ایک ایسے آفتاب کی زندگی کا مطالعہ کرنا ہو گا جس کی کرنیں دامن حرا میں صدق و امانت سے موسوم قرار دے دی گئیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے اس فرزند جلیل کی حیات مبارکہ میں ایک ایسا وقت آیا جب انہوں نے اہل شہر کو اس طرح خطاب فرمایا کہ : "اے وہ لوگو جن کے دل پہاڑوں سے زیادہ سخت اور جن کے دماغ میدانوں سے زیادہ چٹیل ہیں اور جن کی صحبت میں رہنے سے سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اے وہ لوگو جو جاہلیت کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہو جو الہ واحد کو ترک کر کے رئیسوں، سرداروں اور نمانماو مذہبی پیشواؤں کو اپنا الہ (حاکم) گردانتے ہو، جو پتھروں کی مورتیوں کے آگے جھکتے ہو، جو بے حیائیوں اور

> **"غلامی سے نجات محض تبلیغ دین یا واعظ کی حزین و مرتعش تقاریر سے نہیں ہو جاتی اس کے لئے بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں اور بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں پھر جا کے یہ گوہر تابدار میسر آتا ہے"**

فحاشیوں کی غلاظتوں میں لت پت ہو، جو رشتہ داروں سے پہلو تہی کرتے ہو، جو اپنے پڑوسیوں کے لئے محض دکھ اور رنج کا باعث ہو، جو امانتوں میں خیانت کرتے ہو، یتیموں کا مال ہضم کرتے ہو، پاکباز عورتوں پر تہمتیں جڑتے ہو، حقدار کے حق دباتے ہو اور جنہوں نے اپنے ظلم، اپنی ناانصافیوں اور اپنے سیاسی و تجارتی مفادات کو انصاف کا نام دے رکھا ہے، سن لو کہ کوئی انسان کسی دوسرے کا غلام نہیں، انصاف تمہارے خود ساختہ اور ظالم اصولوں کا نام نہیں۔ تمہیں اپنی چودہراہٹ، ہٹ دھرمی، بے انصافی، ظلم جبر اور ستم سب سے دستبردار ہونا پڑے گا، تمہیں یہ سب کچھ ترک کرنا پڑے گا اور اپنی زندگیوں کو اس اللہ کے قانون کے تحت بسر کرنا پڑے گا جس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ عدل و انصاف پر مبنی حقیقی نظام قائم کیا جائے۔ تم میں سے کون ہے جو ظلم کی کھیتی اور ناانصافی کی پرخار باڑ کو نیست و نابود کرنے میں میرا ساتھ دے گا۔"

خود ساختہ اقتدار پر قابض حقوق انسانی کی روح کو چوس جانے والی ان مکروہ جونکوں کے خلاف ایسا طبل جنگ نہ سنا گیا تھا اور نہ دیکھا گیا تھا۔ چنانچہ شر کی طاقت نے متحد ہو کر اپنے خلاف برپا کی جانے والی اس "سازش" کو ہمیشہ کے لئے کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ ؐ کے لاوارث و بیکس ساتھیوں پر چیرہ دستیوں کا آغاز کیا گیا، کوئی دقیقہ ایسا نہ تھا جو ان ظالموں نے رکھ چھوڑا ہو۔ دھکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھیں لٹائی گئیں، جلتی ہوئی ریت پر بے گناہ جسموں کو سلایا گیا۔ جیتے جاگتے انسانوں کے گلے میں رسیاں باندھی گئیں اور مکہ کی گلیوں میں انہیں گھسیٹا گیا۔ گرم پتھروں پر کھلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار کر سچ کو ترک کرنے اور جھوٹ پر اقرار کرنے کے لئے تڑپایا گیا، تلملایا گیا۔ چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی رلو سے تیز و تند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا۔ جن پر گزر رہی تھی ان کا جو کچھ امتحان تھا ظاہر ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس طیب فطرت میں جنبش پیدا کرنے کے لئے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا اس کے صبر مطلق اور سکون تام کے لئے یہ بڑا سخت اور کڑا امتحان تھا۔ اس کے سوا جو وہ اپنے اندر محسوس کرتے تھے اگر کسی شے کا لوئی سا بھی شائبہ ہوتا تو آپ کے گداز قلب کے لئے یہ منظر قطعاً ناقابل برداشت تھا لیکن سب کچھ ہلایا گیا اور پوری طاقت کے ساتھ ہلا دیا گیا مگر جو سچائی کی چٹان پر بٹھایا گیا تھا بجز آنکھوں میں آنسو بھر لانے کے اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ بوڑھی غریب بیکس عورت کے سر پر انگارے رکھے گئے، اس کے سامنے اس کے شوہر کے سینہ میں برچھا گھونسا گیا۔ حضرت عمارؓ کی والدہ اور والد کی اس جگر شگاف حالت کو دیکھ کر زبان میں اضطراراً حرکت پیدا ہوئی لیکن اس حرکت میں جو آواز آئی وہ صرف یہ تھی "اے عمارؓ کے گھر والو --- اللہ تم پر رحم فرمائے تنگی کے بعد کچھ اور نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ فراخی پیدا کرے"۔

جن لوگوں پر ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے ان میں بڑی تعداد ان غلاموں کی تھی جن کا گھر ہی نہیں ہوتا۔ یہ وہ تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جس پر سہارا ہو جب وہی سہاروں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو جائے پناہ کہاں ہو۔ اس قدر ظلم کہ ان کی پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین پر اتنا ٹکڑا بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی جبیں اپنے رب کے حضور جھکا سکیں۔ رحمت العالمین ؐ نے بالآخر اپنی چہیتی صاحبزادی اور داماد کو آمادہ کیا۔ جلاوطنی کے

مصائب سے ناواقف نوجوان دولہے اور نئی دلہن نے سرکار کے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت عثمانؓ، دخترِ رسول حضرت رقیہؓ جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ کے غرباء و فقراکولے کی حبش روانہ ہوئے۔ نجاشی کے دربار میں لوگوں نے دیکھا اور تاریخ نویسوں نے رقم کیاکہ وہ جو اپنی پیاسی تلواریں لئے اللہ کے غلاموں بنانے آئے تھے دلائل کی جنگ میں بری طرح حزیم ہوئے ادھر مطلق العنان بادشاہ تھاکہ روتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔ ایسوں کو کون دے سکتا ہے، ان کو کیسے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

ظلم کی قوت عیار بھی بڑی ہوتی ہے۔ قریش کی قانون ساز اسمبلی نے طے کیااس سہارے ہی کو ہٹالیا جائے جو بقول ان کے رسولِ خدا کی سب سے بڑی ڈھال تھی۔ ضعیف ابو طالب مکہ کی اہم شخصیات کے ہاتھوں مجبور ہوئے یا بھتیجے سے پیار اتنا تھاکہ اسے کسی تکلیف میں مبتلا نہ دیکھنا چاہتے تھے، اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے لیکن جب انہوں نے کہا "لا تحملنی مالا اطیق" مجھ پر اتنا نہ لادو جسے میں اٹھانہ سکوں۔ تو جس کے پائے مبارک میں لغزش پیدا کرنے کے لئے یہ سیاسی و عسکری دباؤ ڈالا گیا وہ مضبوطی سے قدم جمائے کھڑا رہا۔ چچا یہ میرے ہاتھوں میں آفتاب و ماہتاب بھی لاکر رکھ دیں تب بھی میں اللہ کے نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کی سعی جاری رکھوں گا۔ مکہ کے "شرفا" کی یہ بڑی سخت ناکامی چنانچہ اب تو رحم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہر تیر آزمایا گیا۔ نکاحی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی، سر پر خاک ڈالی گئی، راہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشت پر لید سے بھری اوجھڑی عین حالت نماز میں رکھ دی گئی، چہرہ مبارک پر بلغم تھوکا گیا، گردن میں پھندا لگا دیا گیا اور سب جانتے ہیں کہ کھانا بند کیا گیا، پانی بند کیا گیا اور زندگی کے تمام ذرائع روک لئے گئے۔ پورے تین برس ابی طالب کی گھاٹی میں اسی حال میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔ وہ شخصیت جو انسان کو انسان جانوروں کے دکھ کو بھی دیکھ کر تڑپ جاتی تھی۔ اس کے لئے آزمائش کی کیسی گھڑی تھی کہ ننھے بچے بلبلاتے تھے کہ ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ نہ تھا۔ کیسا سخت وقت ہے کہ مرداروں کے چمڑے کو چبا چبا کر جسم و روح کا تعلق جوڑنے کی سعی کی جارہی ہے۔ وہ پتے جو بکریاں بھی شاید نہ کھائیں ان پر ہفتوں بسر کرنا پڑا۔ ایذا رسانی کی کون سی راہ تھی جس پر سے یہ مظلوم گزارے نہ گئے۔ ایک کے بعد دوسرا امتحان اور پیشتر سے زیادہ کڑا امتحان ان کا مقدر تھا۔ دس برس تک یہ جور و ستم مسلسل جاری رکھا گیا ایک ایک لمحہ آزمائش میں سے گزارنے والوں نے کس طرح کاٹا ہوگا اس سے مکہ کی سنگدل مقننہ اور انتظامیہ ضرور واقف ہوگی لیکن پتھر دلوں میں رحم کی ذرا سی بھی درز نہ پیدا ہوئی۔ یہ نہیں سنتے، شاید دوسرے سنیں۔ یہ سوچ کر زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیا۔ مکہ کی رئیس ترین خاتون کے شوہر کے پاس اتنا بھی نہ تھاکہ سفر کے لئے مناسب سواری کا بندوبست کر سکتے تو اہلِ طائف کی منطق بھی کیا خوب منطق تھی! "جسے سفر کے لئے ایک گدھیا بھی میسر نہیں کیا خدا کو اس کے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملتا تھا" یہ پہلا تیر تھا جو امارت کے نشے میں چور ایک امیر ناوک انداز کی زبان سے نکلا۔ اس قلب مطہر پہ کیا گزری ہوگی جب یہ کہا گیا ہوگا "اگر تم رسول ہو تو میں اس کا مستحق نہیں کہ تم سے گفتگو کروں اور اگر نہیں ہو تو میری ذلت ہے کہ کسی جھوٹے سے ہمکلام ہوں"۔

> "سراقہ کا گھوڑا بچارا کیا کرتا، نبی کریم ﷺ کو تو اس گھر نے پناہ دی جو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور تھا۔ قریش کا یہ سارا منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پہ پڑی تھی"

بات صرف تلخ نشتروں کی نہ تھی۔ کمر کے بل گرا دیا گیا۔ پتھر مار مار کر گرایا گیا۔ گھٹنے چور ہوگئے، پنڈلیاں گھاؤ گھاؤ ہوگئیں۔ کپڑے معصوم خون سے سرخ ہو گئے۔ نوعمر رفیقِ سفر نے جس طرح بن پڑا بیہوش جسم مبارک کو اٹھا کر پانی کے کسی گڑھے کے قریب رکھا، جوتیاں اتارنا چاہیں تو خون کا گوند تلوے کے ساتھ اس طرح چپکا پڑا تھا کہ چھڑانا دشوار تھا۔ زید نے شہر سے باہر نکال کر ایک باغ میں ٹھہرایا۔ قرن الثعاب کے موڑ تک پہنچے تو ناتوانی نے بٹھا دیا۔ دریا بھی بالآخر کناروں سے باہر نکل پڑتے ہیں۔ سالہا سال کے صبرِ عظیم کے بعد تحمل کی چٹان سے جھرنا آخر پھوٹ پڑا۔

"میرے اللہ! تیرے پاس اپنی بے روزی کا شکوہ کرتا ہوں۔ تیرے آگے اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کا گلہ کرتا ہوں۔ دیکھ مجھے انسانوں میں ہلکا کیا گیا۔ لوگوں میں میری سبکی ہو رہی ہے۔ اے سارے مہربانوں میں سب سے مہربان مالک میری سن! میرا زور میرا رب تو ہی ہے۔ مجھے تو کن کے سپرد کرتا ہے جو ہم سے دور ہوتے ہیں مجھے ان سے نزدیک کرتا ہے، یا تو نے مجھے اور میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دیدیا؟ پھر بھی اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو مجھے ان باتوں کی کیا پروا مگر کچھ بھی ہو میری سمائی تیری عافیت ہی کی گود میں ہے۔ تیرے چہرے کی وہ جگمگاہٹ جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں، میں اسی نور کی پناہ میں آتا ہوں کہ اسی سے دنیا و آخرت کا سدھار ہے۔ مجھ پر تیرا غصہ بھڑکے اس سے پناہ مانگتا ہوں، مجھ پر تیرا غضب ٹوٹے اس سے تیرے سایہ میں آتا ہوں۔ مناتا ہے، اس وت تک مناتا ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ قابو ہے نہ زور ہے مگر اے اللہ عظیم صرف تو ہی ہے"۔

یہ چند قطرات ہیں جو اس دن کی موجوں سے محفوظ رہ گئے ورنہ کون جانتا ہے کہ کیا کیا کہا گیا یا کہلوایا گیا؟ اب منفی عمل کا رد مثبت شکل میں ہونا تھا ظالموں اور ان کے وحشی قوانین کے چٹیل میدان ختم ہونے کو تھے۔ اب محسوس و شہادت کی حد شروع ہونا تھی۔ تاریخ جہد کی پرنور شبوں میں وہ بڑی ہی مبارک رات تھی۔ ماہتابی کرنوں سے اونٹوں کے مابین قبائل کے خیمے چمک رہے تھے۔ اس خوبصورت منظر میں آنے والے لمحات نے شامل ہو کر ایک فن پارہ تخلیق کرنا تھا۔ دس یا شاید اس سے بھی کم آدمیوں کی ایک ٹولی مصروفِ گفتگو ہے۔ نگاہ دلنواز ادھر اٹھتی ہے مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے کہ جس سے پہلے کبھی ایسا لمحہ نہ آیا تھا اور نہ اب کبھی آئے گا کہ جس لمحے ادا کئے گئے چند مکالموں نے دنیائے انسانیت میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ پوچھا جاتا ہے۔ "من انتم" آپ کون لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک جواب دیتا ہے "من الخزرج" خزرج قبیلے کے لوگ ہیں۔ کیا میں تم میں بیٹھ سکتا ہوں، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہاں کیوں نہیں! جواب ملتا ہے۔ اللہ کی طرف آتے ہو۔ حکم خدا کی اطاعت کے لئے اس کے آگے جھکتے ہو؟ سوال کے جواب آنے کے مابین لمحے بھی بڑے عجیب لمحے تھے۔ ان میں دس برس کی مسافت تھی، بڑی طویل اور جاں لیوا مسافت، بڑی کٹھن اور بڑی مشکل مسافت۔ خدا کی قدرت بھی کیا عجیب قدرت ہے۔ دس برس تک جس کا مسلسل انکار کیا جاتا رہا اس ذرا سی بات کو ان میں سے چھ افراد نے دس سیکنڈ یا شاید اس سے بھی کم وقت میں تسلیم کر لیا، جو اثباتی جواب ان چھ بندگانِ خدا کے دل سے نکلا تاریخ کے قلم نے اسے محفوظ کر لیا اور اب تک جریدہ عالم پر ان

کا نام "انصار" ثبت کر دیا گیا۔ منیٰ کے میدان میں تسخیری قوت کا جو پہلا مظاہرہ ہوا اس نے مکہ کی اعلیٰ اقتداراتی انتظامیہ میں ہلچل مچا دی۔ ذات مبارک کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو ثور نے فرط محبت سے پکارنا شروع کر دیا۔ "الیّ یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول میری طرف تشریف لائیے۔

سراقہ کا گھوڑا بچھاڑ کیا کرتا' نبی کریمؐ کو تو اس گھر نے پناہ دی جو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور تھا۔ بہرحال قریش کا یہ سارا منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پہ پڑی تھی۔ آئین حیات نو پر ایمان محکم کی صبر آزما آزمائش' تمام تر مشکلات کے باوجود بڑے سکون' نہایت عظیم حوصلے' انتہائی ثبات اور کامل استقامت کے ساتھ پوری ہوئی۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے وطنیت' قومیت اور نسلیت کا بت جسے بدبخت انسان نے ہزارہا سال کی محنت کے بعد تراشا تھا' صرف ایک حکم سے ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کی جگہ عالمگیر اخوت کے تصور کو جلا دی گئی۔ یہ وہ نظریہ ہے جس پر ایک گیا گزرا مسلمان بھی دنیا کے کسی بھی مذہب' کسی بھی نظریئے اور کسی بھی ازم کے سامنے اعتماد کے ساتھ نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بات کر سکتا ہے۔ طبقاتی و خاندانی مفادات کو تحفظ دینے والے قوانین کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اب قانون اسی کا چلتا ہے جو اکبر ہے۔ بلالؓ کے ادا کئے گئے الفاظ تمام نظریات کے لئے تلوار تھے اور اب بھی تلوار ہیں۔ یہ اس بات کا عہد تھا کہ اللہ کے عطا کردہ قوانین کو محض اس لئے نہیں نافذ کیا جائے گا کہ اقتدار کا نشہ چسکیاں لے لے کر لوٹا جائے بلکہ نظام عدل و مساوات کے طور پر نافذ کر کے بنی نوع انسان کے امن اور سلامتی کو یقینی بنایا جائے گا یہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا عہد تھا جہاں حق و صداقت کا بول بالا ہو گا' ذات کا افتخار ہو گا نہ نسلی تفاخر' جہاں بھائی بھائی پر دشنہ تیز نہ کرے گا اور جذبہ ایثار مغائرت کی خلیج پاٹ دے گا اور یہ کہ آج کے بعد اب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنی بندگی کرنے پر مجبور نہ کر سکے گا۔

لیکن ابھی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوا۔ یہودی اپنی مہاجنی کی کساد بازاری سے گھبرا کر قلعوں اور قلعے والوں کو جمع کر رہے ہیں جن کا سلسلہ ملک شام تک پھیلا ہوا ہے۔ ادھر رومیوں کے گھوڑے مدینے سے کچھ فاصلے پر غسانیوں کی حدود میں ہنہنا رہے ہیں اور کسریٰ کے ایجنٹ اہل مدینہ کو دھمکا رہے ہیں کہ یتیموں' فقیروں' غلاموں' کسانوں اور مزدوروں کے سردار کو گرفتار کر کے ہمارے بادشاہ کے دربار میں پیش کر دو' پھر سارا ملک عرب ہے جو ایک کمان بن کر اس انقلابی تحریک اور تحریک والوں کو عصر حاضر کی مروج اصطلاح یعنی آہنی ہاتھوں سے کچلنے پر تلا ہوا ہے۔ مدینہ آئے ابھی صرف دو سرا برس ہے۔ تحریک انقلاب انسانیت کو درپیش سیاسی و عسکری چیلنجوں کا تقاضہ ہے کہ صبر و آزمائش میں کندن بنے ہوئے انقلابیوں کو آنے والے فیصلہ کن لمحات کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ حکمت الٰہی سے ۲ھ میں روزے فرض کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے صوم ہے ہی عسکری اصطلاح جو اپنے معنی میں سخت جسمانی مشقت لئے ہوئے ہے اس پس منظر میں ملاحظہ فرمائیں کہ ابھی سترہ روزے بھی پورے نہیں ہوئے کہ قافلہ سخت جاں کو ایک کڑے امتحان سے گزرنا پڑ گیا۔ حق و باطل کے مابین پہلے باقاعدہ معرکہ میں بارہ

> "ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں تراشنا چاہئے کہ صدیوں سے جاری جمود و تعطل کے باعث ملت بیضا میں نماز' روزہ' قربانی اور حج جیسے جلیل المقاصد اعمال جنہوں نے کبھی ہمیں دنیا کی امامت کا منصب عطا کیا تھا اپنی اصل روح سے تہی ہو چکے ہیں"

برس کے طویل عرصہ پر محیط محنت شاقہ کے نتیجہ میں تیار کئے گئے مجاہدین اور جان نثار انصار سمیت کل ۳۱۳ نہایت اعلیٰ تربیت یافتہ پاکیزہ نفوس میدان بدر میں شرک کی قوت متحدہ کا مقابلہ کرنے کے لئے موجود تھے۔ شرک تکبر اور فحاشی کی غلاظت میں لپٹے ہوئے مکہ کے شرفا اور ان کے تنخواہ دار سپاہی ان پاکیزہ نفوس کا مقابلہ کس طور کر سکتے تھے۔ مکہ کے اقتدار پر قابض گروہ ظالمین کے متقدر افراد اس معرکہ میں جہنم رسید ہوئے۔ استحصالی قوتوں کی ساری حشمت بری طرح جل کر راکھ ہو گئی۔ علو کبریائی کا جو نشہ ان کے قدموں کو جمنے نہیں دیتا تھا چھٹ کر ہوا ہو گیا ابوجہل جس کا دوسرا خطاب "فرعون ہذہ الامۃ" ہے اور جو ملوکیت کا نمائندہ تھا' ایک کمسن انصاری مجاہد کے ہاتھوں زخمی ہو کر قتل ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جب اس کا سر کاٹنا چاہا تو آخری ہچکیوں کے ساتھ اس کا ادا کردہ یہ جملہ تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ "سردار کی گردن ہے اسے ذرا نیچے سے کاٹنا تاکہ مقتولوں کی صف میں جب میرا سر رکھا جائے تو سب سے اونچا نظر آئے" صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز (اقبالؒ نپولین کے مزار پر' بال جبریل)۔ اس جنگ میں قریش کے ستر سورما مارے گئے۔ روزہ داروں کی یہ جماعت میدان جنگ سے فاتح بن کر لوٹتی ہے روزوں کی بقیہ تعداد پوری کرتی ہے اور انقلاب انسانیت کی دوسری اہم آزمائش میں کامرانی حاصل کرنے کی خوشی میں اپنے رب کے حضور سجدے میں گرنے سے قبل اضافی تکبیریں پڑھتی ہے۔ لاریب اللہ ہی ہے جو سب سے بڑا ہے اور اسی کا اقتدار ہمارے ہاتھوں قائم ہو کر رہے گا۔ اللہ اکبر۔ بلاشبہ وہی اس قابل ہے کہ اس کا اقتدار نافذ کیا جائے۔ اسلام کے پہلے ماہ صیام نے ان مجاہدوں کے پاکیزہ نفوس کے اندر وہ انقلاب برپا کیا کہ جن پر ہر قسم کا ظلم آزمایا گیا۔ جن سے پانی چھینا گیا' کھانا چھینا گیا' گھر کی چھت چھینی گئی حتیٰ کہ جینے کا حق بھی چھین لینے کی کوشش کی گئی' چھ برس بعد فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں لیکن اکڑتے ہوئے نہیں' بدلہ چکاتے ہوئے نہیں' حط و عفو کرتے ہوئے "وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطہ" (البقرہ : ۵۸) شہر کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور حطہ یعنی گناہوں اور قصوروں کو درگزر کرتے ہوئے' معاف کرتے ہوئے داخل ہونا۔ تاریخ نے رقم کیا ہے' بوڑھے آسمان نے گواہی دی ہے۔ یہ نظارہ بھی پہلا نظارہ تھا ایک فاتح فوج شہر میں داخل ہوئی لیکن آیت پاک کی تفسیر کرتے ہوئے رحم و کرم' صفح و اعراض' مغفرت و درگزر اور امن و امان کے پھول برساتے ہوئے۔ الیومہ یوم بروووفاء الیوم انتم الطلقاء آج صلہ رحمی اور وفا کرنے کا دن ہے' آج تم لوگ آزاد کئے گئے۔

جماعت مومنین لاالہ الا اللہ الحمدللہ وحدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ کہتے ہوئے سر بہ سجود ہو گئی اللہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (الفتح : ۲۸) اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور آئین حیات کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ دنیا کے دیگر قوانین پر پوری طرح غالب ہو جائے۔ پس اے

اخوان عزیز جان لو کہ صوم عسکری تربیت ہے اور اس کا صلہ آزادی ہے' استحصالی نظام سے آزادی' بے انصافی سے آزادی' ظلم سے آزادی' جبر سے آزادی' معاشی غلامی سے آزادی' فرد کی بھی' قوم کی بھی' ملت کی بھی اور بنی نوع انسان کی بھی۔ صوم کی غایت ہی یہ ہے کہ پہلے طویل' صبر آزما اور مشکل عسکری تربیت حاصل کی جائے لیکن اس تربیتی مشق میں مصنوعی حالات نہ ہوں تم کو حقیقی مصائب و مشکلات اور ایذا سے گزرنا ہوگا اور مناسب وقت آنے پر اپنے اپنے دور کی طاغوتی' فرعونی' نمرودی' سامراجی و استحصالی قوتوں کے اقتدار کو چیلنج کرنا ہوگا تاکہ اللہ کے بندے ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ سورۃ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی آیت ۱۸۳ تا ۱۸۶ میں یہی پیغام پوشیدہ ہے کہ دنیا کو جبر و استبداد کے خاتمے کے لئے اسی طویل اور جان لیوا ادوار تربیت سے گزرنا ہوگا جس طرح تم سے قبل مومنین کی جماعتیں کڑی آزمائش میں کامیابی کے ساتھ تربیتی مراحل طے کرتی رہیں اور جب وہ پختہ کار ہو گئیں تو ان کی جہد کامیابی سے ہمکنار ہو گئی بظاہر یہ نہایت مشقت والا طویل اور صبر آزما دور تربیت ہے لیکن جب تم ان ایام کی سختی کو جھیل جاؤ گے تو اس قابل ہو گے کہ ظالم و جابرانہ قوتوں سے براہ راست ٹکر لے سکو۔ کفار اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف اس کھلی جنگ میں تم کو فتح مبین حاصل ہو گی اور تب تم جان لوگے کہ اللہ کی حکمت کتنی کامیاب ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر و لتکملوا العدہ ولتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون (بقرہ : ۱۸۵) اللہ تمہارے لئے مشکلات نہیں پیدا کرنا چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے آسانی پیدا ہو' تمہیں جابر قوتوں سے نجات حاصل ہو جائے لہٰذا ان ایام مشکلات میں سے اپنے آپ کو ضرور گزارو اور جب ظلم کی مظاہر طاقتیں تمہارے سامنے قوت لے کر آجائیں تو اس قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے آئین انسانیت (القرآن) سے مدد لو۔ اللہ کی تائید اور اپنی عسکری تربیت کے باعث لازم ہے کہ تم فتح و کامرانی سے بہرہ یاب ہو اور جب کامیاب ہو جاؤ تو ولتکبروا اللہ یعنی اللہ کا تکبر (اقتدار) دنیا میں قائم کرو۔

عصر حاضر میں روزوں کا مقصد اور بھی واضح حقیقت بن کر سامنے آیا ہے اور وہ یہ کہ طاغوتی طاقتوں کے ہر مسلط کردہ ظلم کو ایمان کی حرارت کے ساتھ برداشت کرنے کی خو ڈالی جائے۔ اپنے آپ کو بڑی بڑی اذیت کا سامنا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ جب آج کے فرعون یہ جان لیں گے کہ ہر طرح کے ظلم و ستم کے باوجود مومنین کی جماعت نظام خداوندی کو قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے تو وہ تمہیں قتل کر کے تمہاری مزاحمت' تمہاری تحریک کو کچلنا چاہیں گے۔ جینے کا حق آج کے تلامذہ مغرب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ بنیادی انسانی حقوق کی پہلی کڑی جینے کا حق ہے اور اس حق کی حفاظت کرنا ہر انسان کا فرض ہے لہٰذا جب جینے کا حق بھی چھین لینے کی کوشش کی جائے تو اپنے بنیادی حق کے تحفظ کے لئے' جماعت مومنین کے حق کے تحفظ کے لئے کفار اور ان کے ایجنٹوں سے جنگ کی جائے۔ انہیں اپنے علاقے میں لاکر' ان کے علاقوں میں جاکر بحر و بر اور فضا و خلا کی وسعتوں میں' جہاں جہاں تم کو چیلنج کیا جائے وہاں وہاں

> "یہ ماہ انقلاب بھی ہے کہ اس ماہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایسے بے مثل ضابطہ حیات کا نزول ہوا جس نے انسان کی تاریخ عرفانی میں ایسا انقلاب برپا کیا جس کی نظیر آج تک کوئی انقلاب پیش نہیں کر سکا"

ان سورماؤں سے جنگ کی جائے۔ اے رسول" یہ لوگ جو تم سے بیع (جانوں کے بیچنے) کا معاہدہ کر رہے ہیں یہ درحقیقت خدا سے معاہدہ کر رہے ہیں ان کے ہاتھ پر تمہارا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کارساز

اور اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ مومنین کی یہ جماعت جب ان طاغوتی طاقتوں سے جنگ کرے گی تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اسلام (امن) کے دشمن اور قانون (شریعت) کے الرجک لوگ مومنین پر غالب آجائیں ان کے چہرے ان کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہوں گے' ذلت و رسوائی اور پسپائی ان کا مقدر بنے گی' (التوبہ : ۱۴) اسلام کا پیغام ہر گھر' ہر جائے رہائش میں داخل ہو کر رہے گا۔ انہیں اپنے آئینوں میں تبدیلی لانا پڑے گی اور زندگیوں کو اسلام کے متعارف کردہ قوانین کی روشنی میں گزارنا پڑے گا۔ اللہ کا اقتدار تکمیل پاکر رہے گا اور ایسا لازمی ہو کر رہے گا خواہ یہ ان مکروہ و مغضوب لوگوں کو کتنا ہی گراں بار کیوں نہ گزرے جو آئین خداوندی سے انکار کر کے اپنی صدارتیں' اپنی وزارتیں خواہ وہ عظمیٰ ہوں یا مملکانہ' اپنا اقتدار اور مفادات بچانا چاہتے ہیں۔ القرآن (التوبہ : ۳۳)

تمام مسلمان جان لیں کہ روزوں کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان ہر لحہ ایک مجاہد کی زندگی بسر کرنے کی سعی کرے تاکہ خدا کے اقتدار (قرآن کے مرتب کردہ اصولوں پر مبنی حکومت) کو قائم کرنے میں اسے آسانی ہو۔ ماہ صیام مسلمان کو عسکری حیات کا خوگر بنانے کا ذریعہ ہے آپ سب جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا تھا کہ حضور" مومن کی زندگی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدان کارزار میں ہو اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ کا جس کا چراغ
میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندہ حر کے لئے جہاں میں فراغ

مسلمانان برصغیر بھی ایک طویل اور صبر آزما آزمائش سے گزرنے کے بعد اقتدار اعلیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کی تحریک کے دوسرے دور میں ۲۷ رمضان کی شب داخل ہو چکے ہیں لیکن مکہ کے امیہ بن خلف و ابوجہل و ابی لہب اور مدینہ کے یہودیوں کی طرح انہیں پاکستان کے جاگیرداروں' وڈیروں' سرداروں' خوانین' گدی نشینوں' صاحبزادوں' مخدوموں اور مخدوم زادوں کا سامنا ہے۔ روم کا قیصر اور مدینہ کا پڑوسی کسریٰ گو آج موجود نہیں لیکن ان کی جگہ واشنگٹن ڈی سی اور بنیا موجود ہے۔ ماضی کی طرح حق و باطل پھر ٹکرانے کو ہیں۔ کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ مکہ فتح ہوا تو اعلان ہوا کہ "جاء الحق وزھق الباطل" حق آیا اور باطل مٹ گیا بلاشبہ باطل مٹ ہی جانے کے لئے ہے۔ یقیناً تاریخ اپنے کو دہرائے گی' حق آئے گا اور باطل پر مبنی سارے نظام ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے لیکن اللہ نے اس کے لئے ایک بڑی کڑی شرط عائد کر دی ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت تم پر غلبہ نہ پا سکے گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم مومن بن کر دکھاؤ۔ (آل عمران : ۱۳۸)

کوشش کرو اللہ کی طرف بلانے میں' (کوشش کا پورا حق ادا کرتے ہوئے) اسی نے (اسے ملت

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

پارلیمانی نظام کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں!

اس نظام میں ریاست کے تینوں شعبوں کے مابین طاقت کا توازن مفقود ہے

تمام ریاستی شعبوں میں وزیر اعظم کی مداخلت' اسے آمر بنا دیتی ہے

صدارتی نظام ان خرابیوں سے بڑی حد تک پاک ہے

صدارتی و پارلیمانی نظام کے تقابلی مطالعہ پر مبنی بیرسٹر اے جی چودھری کی ایک مدلل تحریر

برطانیہ' اسرائیل اور برازیل میں آئینی زاویے سے ایک یہ انوکھی قدر مشترک موجود ہے کہ ان ممالک میں جو دساتیر نافذ ہیں وہ "بن لکھے" ہیں۔ برطانیہ کا غیر تحریری آئین تدریجی طور پر مرحلہ وار ارتقاء پذیر ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ اس صدی کے اوائل میں جب برطانیہ نے ہندوستان میں "سیلف گورنمنٹ" کے تحت کچھ اختیارات ہندوستانیوں کو دینے کا فیصلہ کیا تو انگریزی سرکار نے ابتداء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء نافذ کیا۔ بعد میں ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۹ء کے ایکٹ نافذ کئے گئے۔ اس طرح برطانیہ کا غیر تحریری آئین مرحلہ وار ترتیب پاتا چلا گیا۔

اس آئین کو بالآخر بھارت کے دستور میں ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو اور پاکستان کے دستور میں ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو الفاظ کی تحریری صورت دی گئی۔ ان دساتیر کے ذریعے بھارت اور پاکستان میں پارلیمانی نظام جاری کیا گیا تھا تاہم ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا دستور کالعدم قرار دے دیا گیا۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے جنہیں صدر پاکستان کی حیثیت میں ۱۴ فروری ۱۹۶۰ء کو پریذیڈنشل (الیکشن اینڈ کانسٹی ٹیوشن) آرڈر ۱۹۶۰ء کے تحت مینڈیٹ حاصل ہو گیا تھا ایک بالکل نئی قسم کا آئین نافذ کیا۔ یہ آئین صدارتی قسم کی آمریت پر مشتمل تھا۔

پاکستان کے سیاسی منظر سے جنرل محمد یحییٰ خان رخصت ہوئے تو ذوالفقار علی بھٹو نے جو عبوری آئین بنایا وہ صدارتی قسم کا تھا۔ تھوڑے سے عرصے کے لئے زیر عمل رہنے کے بعد اس آئین کی جگہ ۱۹۷۳ء کے آئین نے لے لی۔ جس میں ویسٹ منسٹر ٹائپ کا پارلیمانی نظام متعارف کرایا گیا تھا۔ ہمارے ملک میں اب یہی آئین مروج ہے۔

سلطنت برطانیہ نے جب دولت مشترکہ کی بنیاد ڈالی تو اس میں شامل ممالک بالعموم یہ تصور کرتے تھے کہ ویسٹ منسٹر آئین ہیئت' مواد اور عمل کے اعتبار سے ایک مکمل آئین ہے چنانچہ دولت مشترکہ کے نو آزاد ممالک نے اس آئین کو ہی اختیار کرنا مناسب سمجھا تاہم ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اس آئین کے خلاف شکوک پیدا ہونے لگے' شبہات تقویت پکڑنے لگے اور بعد کے عشروں میں تو حالت یہ ہو گئی کہ برطانوی آئین کی تحسین کرنے والے لوگ بہت کم نظر آتے تھے۔

پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین اور کامن ویلتھ ممالک کے اس قسم کے دوسرے دساتیر میں سب سے زیادہ قابل اعتراض نقص یہ ہے کہ ریاست کے تین شعبوں (عدلیہ' مقننہ اور انتظامیہ) میں اختیارات کا توازن مفقود ہے۔ یہ حقیقت مشاہدہ میں آ چکی ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں جہاں پارلیمانی جمہوریت کا نظام زیر عمل ہے تحکم پسند وزرائے اعظم نے بڑی سنگدلی سے انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات پر قبضہ کر لیا اور انہیں اپنی مرضی سے استعمال کیا۔ برطانوی وزیر اعظم نے بھی عدلیہ اور انتظامیہ کے اختیارات میں حد امتیاز ختم کر دی۔ اس کی مثال برطانیہ کی وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر ہیں۔ ان وزرائے اعظم نے اپنی کابینہ کی اجتماعی اتھارٹی کو ختم کر دیا اور حکمرانی کا حق اپنی ذات میں مرتکز کر لیا۔ چند پٹھو وزراء کو مشوروں میں شامل کر لیا جاتا۔ نامرغوب پریس کو خاموش کرا دیا جاتا' شہری آزادیاں سلب کر لی جاتیں اور حکومت کا نظام چلا لیا جاتا۔

اس قسم کی بہت سی خرابیوں نے بھارت کے نظام میں بھی راہ پالی جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ جون ۱۹۷۵ء میں اندرا گاندھی نے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ سدھارتھ شنکر رے کے مشورے پر بھارت میں ایمرجنسی نافذ کر دی تھی جو ۲۰ ماہ تک نافذ رہی۔ بھارتی صحافی کلدیپ نیر کی رائے میں "۲۰ ماہ کا یہ عرصہ بھارت کے حافظے سے محو نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس ملک کا تاریک ترین دور تھا"۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو مقدمہ چلائے بغیر زیر حراست رکھا گیا۔ بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے' پریس پر پابندیاں عائد کر دی گئیں' جبر اور دراز دستی عام تھی' من مانے اور مستبدانہ احکام جاری کئے جاتے' من مانی سزائیں دی جاتیں اور بھاری جرمانے عائد کئے جاتے تھے۔

لارڈ ہیلشم نے "ڈائیلما آف ڈیما کریسی" میں ۱۹۷۸ء کی لیبر گورنمنٹ کو ایک ایسی آمرانہ حکومت قرار دیا جو انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار آئی تھی لیکن جب ۱۹۷۹ء میں لیبر گورنمنٹ مسترد کر دی گئی اور مسز مارگریٹ تھیچر وزیر اعظم بن گئیں تو مسٹر ہیلشم ان کے لارڈ چانسلر بن گئے۔ انہوں نے اپنی ۱۹۷۸ء کی رائے کو بڑی آسانی سے نظر انداز کر دیا۔ مسز مارگریٹ تھیچر کی انتخابی آمریت ان کے دور اقتدار کے آخری دن تک ترقی کرتی اور پنپتی چلی گئی' انہوں نے بے لچک' سخت اور ناقابل تنسیخ پالیسیاں جاری کیں'

اس کی ایک مثال نج کاری (پرائیویٹائزیشن) کی پالیسی ہے۔ کنزرویٹو ارکان پارلیمنٹ نے پارٹی کے برعکس مسز تھیچر سے وفاداری کو زیادہ ملحوظ نظر رکھا۔ پارلیمنٹ وزیراعظم کی خواہش کے مطابق بل پاس کرتی تھی۔

انگلستان میں پارلیمانی اداروں کو فروغ اس لئے حاصل ہوا کیونکہ اس دور میں یہ ادارے انگریزی مزاج سے ہم آہنگ تھے۔ لارڈ بالڈون نے ۱۹۳۷ء میں کہا تھا کہ برطانوی آئین کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اسے منطقہ دانوں نے تشکیل نہیں دیا تھا اور ہمارے عوام ان مشکلات سے بچ گئے ہیں جو دنیا کی متعدد ناآسودہ قوموں کو لاحق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے امور میں منطق کو رہنما قرار نہیں دیتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر ہم آئین کی بہت زیادہ توضیحات کرنے لگیں تو ہماری سلطنت ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔ انگلستان کا آئین بلاشبہ غیر تحریری نہیں رہا لیکن اس کے باوجود برطانوی سلطنت کا آفتاب اقبال غروب ہو گیا۔ دوسری طرف غیر تحریری آئین نے اس ملک کے جمہوری اداروں کو تاخت و تاراج کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسز تھیچر کے وزیراعظم بننے سے بہت عرصہ پہلے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان نے انتخابی آمریت کے سامنے پارلیمانی خود مختاری کو سرنگوں کر دیا تھا۔ تھیچر ازم کے دور میں آمرانہ اختیارات کا استعمال روز مرہ کا معمول بن گیا تھا اور انہیں من مانے طریق سے استعمال کیا جاتا تھا۔

مسٹر والٹر بیگوٹ نے "انگلش کانسٹی ٹیوشن" (۱۸۶۷) میں دارالعوام کو ایک ایسا ادارہ قرار دیا ہے جو حکومت کا انتخاب کرتا ہے تاہم ان کے زمانے میں حکومت بنانا دارالعوام کا ثانوی کام تھا۔ آج یہ اولین نوعیت کا عمل ہے۔ دارالعوام کا حقیقی کام تو قانون سازی تھا لیکن اب اس کی جگہ مکمل طور پر حکومتی اختیارات پر قبضہ نے لے لی ہے۔ مسٹر روڈنی بریزیئر نے اپنی کتاب "کانسٹی ٹیوشن ریفارمز" میں اس جمہوری انداز اور تن آسانی پر ملال کا اظہار کیا ہے۔ جس کے تحت ارکان پارلیمنٹ نے وزرائے اعظم کو انتخابی آمریت سے مفادات حاصل کرنے کی چھٹی دے دی اور اب بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وزیر اعظم کے اختیارات غیر معمولی طور پر زیادہ ہو گئے ہیں اور ان میں مسلسل مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اب برطانیہ میں وہ دن باقی نہیں رہے جب مسٹر اے وی ڈائی کے نے اسے ایک ایسی محدود گورنمنٹ قرار دیا تھا جو اپنے اختیارات قانون سے حاصل کرتی تھی اور گورنمنٹ جو اقدام بھی عمل میں لاتی تھی اس میں بعض اقدار کا احترام ملحوظ نظر رکھتی تھی اب جو منتخب آمرانہ حکومت برسراقتدار ہے وہ آئین کی معقولیت اور بالادستی کے تصور ہی کی دشمن ہے۔

میں نے اوپر لکھا ہے کہ . . . .

اختیار میں توازن کا نظریہ اختیارات کی تقسیم سے براہ راست متعلق ہے۔ یہ نظریہ سب سے پہلے فرانسیسی مفکر قانون مسٹر مونٹیسکو نے وضع کیا تھا۔ انہوں نے اٹھارویں صدی کے اوائل میں رائج برطانوی آئین کی توضیح کی تو یہ نظریہ اس تصریح کی اساس تھا۔ اختیارات کی تقسیم سے ان کی مراد یہ تھی کہ انتظامیہ اور عدلیہ کو نہ تو ایک دوسرے کے امور و اعمال پر کنٹرول حاصل ہو' اور نہ وہ ایک دوسرے کے اختیارات میں مداخلت کریں۔

> "یہ حقیقت سامنے آ چکی ہے کہ قومی اسمبلی متعدد مرتبہ تحلیل کی جا چکی ہے کیونکہ اس کی افادیت اور استعداد ختم ہو چکی تھی۔ یہ عوام کا منتخب نمائندہ ادارہ نہیں رہا تھا اور داخلی تنازعات' تصادمات اور سیاسی مفادات کے حصول کے لئے سیکنڈلوں سے آلودہ ہارس ٹریڈنگ سے اس کا مینڈیٹ شکست خوردہ ہو چکا تھا"

آج کے دور میں اختیارات کی علیحدگی تین مختلف چیزوں سے تعبیر ہوتی ہے۔

اول . . . . . یہ کہ ایک ہی شخص حکومت کے تین شعبوں میں سے ایک سے زیادہ شعبے کا رکن نہ ہو یعنی وزیروں کو پارلیمنٹ میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔

دوم . . . . . . یہ کہ حکومت کا ایک شعبہ دوسرے شعبے کے امور کی انجام دہی میں مداخلت نہ کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ عدلیہ کو مقتدرہ سے آزاد ہونا چاہئے یا وزراء پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار نہ ہوں۔

سوم . . . . . حکومت کا ایک شعبہ دوسرے شعبے کے فرائض سرانجام نہ دے۔ مثال کے طور پر ایک وزیر کے پاس قانون سازی کے اختیارات نہیں ہونے چاہئیں۔

انگلستان میں یا اس زاویئے سے دیکھئے تو برطانوی طرز کی کسی بھی پارلیمانی حکومت میں اختیارات کی تقسیم سے مراد ایک آزاد عدلیہ سے قدرے زیادہ ہے۔

امریکہ میں حکومت کے تین شعبوں (عدلیہ' مقننہ' انتظامیہ) میں اختیارات کی حقیقی تقسیم موجود ہے۔ اس ملک میں تقسیم اختیارات کے نظریئے کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ امریکی آئین کے تحت طاقت میں توازن حکومت کے متذکرہ تین شعبوں میں اختیارات کو علیحدہ اور احتسابی عمل کو قائم رکھا جاتا ہے چنانچہ اس ملک میں انتظامیہ یا عاملہ کے اختیارات صدر کے پاس ہیں۔ صدر کی کابینہ مختلف محکمہ جات کے سربراہان پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر سربراہ صدر کے سامنے ذاتی طور پر صرف اپنے محکمے کے امور کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔ اسے کانگریس' سینٹ دارالعوام کے رکن یا اپنے کسی ہم پیشہ کولیگ کے سامنے وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صدر کے عہدے کی میعاد معین ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ صدر کا تعلق کانگریس کے کسی ایک یا دونوں ایوانوں کی اکثریتی جماعت سے ہو۔ صدر کو صدارت کے عہدے سے مخالفانہ ووٹ سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ اس کے اختیارات کی وضاحت آئین میں درج ہے۔ صدر یا اس کی کابینہ کا کوئی رکن کانگریس میں بیٹھ سکتا ہے نہ ووٹ دے سکتا ہے۔ کانگریس میں قانون کے لئے مسودہ پیش کرنا یا بل منظور کروانے کے لئے راہ ہموار کرنا صدر کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کانگریس کے نام اپنے پیغام میں صدر قانون سازی کی سفارش کر سکتا ہے لیکن صدر کی سفارشات پر کانگریس توجہ صرف کرنے کی نہ پابند ہے اور نہ مجبور کی جا سکتی ہے تاہم کانگریس کے منظور شدہ قانون کو صدر مسترد کر سکتا ہے۔ معاہدوں کے مذاکرات انتظامیہ عامل میں لاتی ہے لیکن ان کی منظوری ایوان بالا (سینٹ) کے دو تہائی ارکان کی منظوری سے مشروط ہے۔ سینٹ اگرچہ انتخابی عمل سے وجود میں آتی ہے لیکن اس کا قیام مسلسل ہے کیونکہ ہر چار سال کے بعد جب انتخابات عمل میں آتے ہیں تو سینٹ کی آدھی نشستیں خالی قرار دے دی جاتی ہیں' آدھی قائم رہتی ہیں۔ دارالعوام کے ارکان مقررہ میعاد کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ اس

ایوان کو اندرون میعاد تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ عدلیہ نہ صرف انتظامیہ (ایگزیکٹو) کی مداخلت سے آزاد ہے بلکہ عدلیہ نے ابتدائی دور میں ہی یہ اختیارات حاصل کر لئے تھے کہ وہ خلاف آئین قوانین کو ناجائز اور ناواجب قرار دے سکے۔ سپریم کورٹ مقننہ (ایگزیکٹو) اور مقننہ (لیجسلیٹو) کے عمل کو غیر آئینی ہونے کا فیصلہ دے سکتی ہے۔

پارلیمانی نظام حکومت میں ہر چیز اس سے مختلف ہے۔ انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے۔ اس کے انتخاب کی اساس یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں اکثریت کا تعاون حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ پارلیمنٹ میں اس کا عہدہ اس وقت تک محفوظ ہے جب تک اسے منتخب ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔ وزیر اعظم کو پارلیمنٹ کا رکن ہونا چاہئے۔ منتخب ارکان مقننہ اور انتظامیہ (ایگزیکٹو) دونوں کا حصہ ہیں۔ ایک وقت تھا کہ مقننہ کو انتظامیہ (ایگزیکٹو) پر کنٹرول حاصل تھا لیکن اب ایگزیکٹو (انتظامیہ) مقننہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انتظامیہ کی آواز کو قانون سازی میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ ان دنوں جمہوریت میں پارلیمنٹ کے زیریں ایوان کا بنیادی کام ایگزیکٹو (انتظامی) گورنمنٹ کا انتخاب ہے۔ حکومت سازی میں ارکان اسمبلی ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ حکومت پریشان ہو جاتی ہے۔ مجھے میں ابھی ہوئی حکومت ان ارکان سے کس طرح نمٹتی ہے؟ اس کا حال ان متعدد مقدموں سے عیاں ہے جن کے فیصلے پاکستان کی عدالت عالیہ نے حال ہی میں کئے ہیں۔ ان مقدموں سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ارکان قومی اسمبلی کے نزدیک ان کا کام صرف ایک وزیر اعظم اور اس کی ایگزیکٹو حکومت کو منتخب کرنا اور پھر اس سے ہر قسم کے ذاتی اور مالی مفادات حاصل کرنا ہے۔

یہ حقیقت سامنے آ چکی ہے کہ قومی اسمبلی متعدد مرتبہ تحلیل کی جا چکی ہے کیونکہ اس کی اکثریت اور استعداد ختم ہو چکی تھی۔ یہ عوام کا منتخب نمائندہ ادارہ نہیں رہا تھا اور داخلی تنازعات' تصادمات اور سیاسی مفادات کے حصول کے لئے سیکنڈلوں سے آلودہ ہارس ٹریڈنگ سے اس کا مینڈیٹ شکست خوردہ ہو چکا تھا۔

آئین کے ایک ماہر قانون دان کو یہ سن کر صدمہ ہوتا ہے کہ ایک کیس جس میں قومی اسمبلی کی تحلیل کو چیلنج کیا گیا تھا اس میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی گئی کہ منتخب اراکین اسمبلی کی ہارس ٹریڈنگ' کرپشن' اقربا پروری' آئینی دفعات سے انحراف وغیرہ اس سے قبل ماضی میں بھی ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے ان عوامل کو قومی اسمبلی کی تحلیل کا جواز نہیں بنانا چاہئے۔ اس قسم کے ایک کیس میں سپریم کورٹ نے منتخب ارکان کی عدم وفاداری' لوٹا ازم اور اپنی سیاسی جماعت سے انحراف سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور مصائب کی تفصیل بھی بیان کی تھی چنانچہ کہا گیا کہ

اول ..... اگر ایک ممبر کسی مخصوص مبنی فیسٹو کی اساس پر منتخب ہوا ہے' یا اس کی وابستگی ایک سیاسی جماعت سے ہے یا وہ عوامی اہمیت کے کسی مخصوص مسئلے سے وابستگی رکھتا تھا تو اس سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے ووٹروں کا اعتماد مجروح کیا ہے اور اب وہ ان کے اعتبار سے محروم ہو چکا ہے۔

دوم ..... اس قسم کی عدم وفاداری سے خود ووٹر اپنے منتخب ارکان کے تعاون سے محروم ہو جاتے ہیں اور انہیں نئے انتخاب تک برسوں تک اس محرومی کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ انتخابات کے بعد ہی وہ اس رکن اسمبلی کو ووٹوں سے محروم کر سکتے ہیں۔ اس دوران منحرف رکن اسمبلی تمام دنیاوی مفادات سے فیض یاب ہوتا اور پھلتا پھولتا رہتا ہے۔

سوم ..... اس عمل سے آئین پر عملدرآمد کی معیاری کارکردگی منفی اور غیر مثبت ہو جاتی ہے۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ کائنات پر حاکمیت کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور نائب خدا کی حیثیت میں انسان اور پاکستان کے عوام کو صرف وہ اختیارات حاصل ہیں جو خدا نے انہیں کتاب اللہ میں تفویض کئے ہیں۔ یہ اختیارات خدا کی مقدس امانت ہیں۔ ان اختیارات کے استعمال میں ریاست اس طرح شامل ہے کہ وہ عوام کے منتخب نمائندگان کے ذریعے ان اختیارات کو استعمال کرتی ہے چنانچہ وہ منتخب نمائندہ جو اپنے مسلمہ امور' اپنے ووٹروں' اپنی پارٹی اور اس کے مینڈیٹ سے انحراف کرتا ہے وہ اپنے نمائندہ کردار کو خود باطل کر دیتا ہے۔ یہ رکن اسمبلی ریاست کی طاقت کو آئینی مینڈیٹ کے مطابق نہ تو استعمال کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ ریاست کے اقتدار میں شرکت کر سکتا ہے اور اگر اس قسم کے منحرف ارکان کی معاونت سے حکومت چلائی جا رہی ہے تو یہ آئین میں تصریح شدہ جمہوری عمل کے ساتھ صریحاً مذاق ہے۔

یہ تمام برائیاں پارلیمانی نظام میں ناگزیر ہیں۔ قبل اس کے کہ قوم مکمل طور پر سیاسی انہدام کا شکار ہو جائے مناسب ہے کہ ایک آئینی کمیشن مقرر کیا جائے جو صدارتی نظام کا مسودہ تیار کرے۔ اس مسودے میں مختلف عامل اداروں کی حدود اختیارات کا علیحدہ علیحدہ تعین کرے اور ہر شعبے پر مناسب چیک اور بیلنس عائد کرے۔

میں اپنی بات کو اختتام پر پہنچاتے ہوئے یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جمہوریت جس میں اقتدار پارلیمانی ایگزیکٹو کے پاس ہو ایک ایسا معاہدہ ہے جس پر صرف شرفا پابندی سے عمل کر سکتے ہیں لیکن ایسی جمہوریت جس میں اقتدار صدارتی ہو تو یہ بدمعاشوں' عیاروں اور شیطانوں کی ناکہ بندی کر سکتا ہے۔ انہیں لگام ڈال سکتا ہے۔ ان سب کا قلع قمع کر سکتا ہے۔OO

(بشکریہ : روزنامہ "خبریں" ۲۷ جنوری ۹۶ء)

بقیہ : تحریک رجوع الی القرآن

قرآن مجید کے احکامات' اوامر اور نواہی تفصیل سے مل جاتے ہیں۔ اس طرح ایک حق بات کے متلاشی کو پیشہ ور علماء کے پیچھے بھاگنا نہیں پڑتا۔ اس کے ساتھ ساتھ آج کے دور کے پڑھے لکھے اور باشعور انسان جب دورہ ترجمہ قرآن میں اللہ کے پیغام کو سنتا ہے اور اس کے مفاہیم جانتا ہے۔ اس میں کائنات کی جو حقیقتیں بیان کی گئی ہیں' ان تک رسائی حاصل ہونے کے بعد حیران ہو جاتا ہے

تو کھوئے ہوئے ماضی پر آنسو بہانے سے بہتر ہے کہ ہم اس "کتاب" سے اپنا تعلق دوبارہ بحال کریں۔ یہ بات سچ ہے کہ ہمیں بڑی گہری منصوبہ بندی کے ساتھ قرآن مجید سے دور کیا گیا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ "SCAPEGOATING" کی بجائے ہر شخص خود اپنے طور پر اسے پڑھے' اسے سمجھے اور اپنے کردار اور افعال میں مثبت تبدیلی پیدا کرے۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ "سفر چاہے ہزار میل کا کیوں نہ ہو اس کی ابتدا پہلے قدم ہی سے ہوتی ہے"۔ اسی طرح کسی فرد کی تبدیلی معاشرے کی تبدیلی کی ابتدا اور پیش خیمہ ہوتی ہے۔ حضور کا ایک قول ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ : اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے ہی قوموں کو عروج دے گا اور اسی کے ذریعے قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا۔ یہ قول قرآن مجید میں جن امتوں کے زوال کا ذکر کیا گیا اس سے بالکل مناسبت رکھتا ہے۔ آج بھی ہم اگر اس "حبل اللہ" پر عمل کریں اور اس کے پیغام کو عام کریں تو اس سے معاشرے کی بہت سی برائیوں کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔OO

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب !

دورۂ ترجمہ قرآن ..... تحریکِ رجوع الی القرآن کا اہم سنگِ میل

نثار احمد ملک

یہ اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام ہے

اس پروگرام سے شعورِ ذات اور معرفتِ الٰہ ہر دو تک رسائی حاصل ہوتی ہے

ماڈیام میں قرآن اکیڈمی میں منعقد ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن کے بارے میں چند شرکاء کے تاثرات

حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ (اسیر مالٹا) نے مالٹا کی اسیری کے بعد سرزمین ہند پر پہلا قدم رکھتے ہی فرمایا تھا کہ جیل کی تنہائیوں میں' میں نے جتنا غور کیا ہے تو اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ امت مسلمہ کی زبوں حالی کے دو اہم اسباب ہیں۔ پہلا اہم سبب قرآن حکیم سے روگردانی اور دوسرا سبب فرقہ واریت ہے۔ اسی کتب فکر کے ایک معتبر فرد مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب "وحدت امت" میں شیخ الہندؒ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ حقیقت میں فرقہ واریت کا سبب بھی قرآن حکیم سے روگردانی ہی ہے۔

اس صدی میں قرآن کی طرف رجوع کی اذان بلند کرنے کا اعزاز سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزادؒ کو حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنے رسائل "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعے قرآن اور جہاد کا بھولا ہوا سبق امت مسلمہ کو یاد دلایا۔ ان کی اس کاوش کو خراج پیش کرتے ہوئے مجاہد حریت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے کہا تھا کہ اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

"رجوع الی القرآن" کی یہ تحریک مختلف واسطوں سے ہوتی ہوئی اس وقت ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی و صدر موسس انجمن خدام القرآن کی زیر قیادت جاری و ساری ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو اللہ تعالیٰ نے فہم قرآن کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ اس عطائے فہم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اس کتاب ہدایت کے رموز و معارف کو بیان کرنے کی بھی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ وہ قرآن کے اسرار و رموز پر گھنٹوں بولتے ہیں' نہ انہیں تکان ہوتی ہے' نہ ہی ان کے سامعین کو وقت کا احساس ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنے ساتھ' اپنے سامعین کو بھی قرآن کے سحر سے مسحور کرنے کی صلاحیت سے بہرہ یاب ہیں۔ ایک معروف صحافی اور دانشور نے انہیں ایک موقع پر اپنے اخباری کالم میں "عاشق قرآن" کے لقب سے یاد فرمایا تھا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

> **"اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع' محترم ڈاکٹر صاحب کی قرآنی فکر کو ہضم کیے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بجا طور پر یہ فرض ادا کرنے کے اہل ہیں"**

ڈاکٹر اسرار احمد نے دین کے حوالے سے اپنے کام کا آغاز دروس قرآن سے کیا تھا۔ جب آغاز کیا تو وہ تن تنہا تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ "تحریک رجوع الی القرآن" کو اللہ تعالیٰ نے پذیرائی عطا فرمائی جس کا ایک مظہر "انجمن خدام القرآن" کا پلیٹ فارم ہے' جس سے اس تحریک کو پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آئے۔ اس انجمن خدام القرآن کے تحت لاہور میں قرآن اکیڈمی معرض وجود میں آئی جس کا مقصد اس تحریک کو جلا بخشنے والے افراد کی تیاری تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے دو سالہ اور ایک سالہ "رجوع الی القرآن" کورسز کا اجراء ہوا۔ انہی کورسز کے نتیجے میں ایک ایسی ٹیم تیار ہو گئی جو علم جدید سے بہرہ ور افراد پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے انہی کی ذہنی سطح پر اور انہی کی زبان میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لاہور کی قرآن اکیڈمی کے بعد کراچی' ملتان اور فیصل آباد میں بھی "انجمن خدام القرآن" کے تحت اکیڈمیاں وجود میں آگئیں۔ اس طرح "تحریک رجوع القرآن" کی آبیاری کے لئے افراد کی تیاری کے نئے مراکز وجود میں آ گئے۔ اگرچہ ان اکیڈمیوں کے پیش نظر جو مقاصد تھے ان میں سے بعض کا حصول ابھی تک بوجوہ ممکن نہیں ہوا تاہم دروس قرآن کی صلاحیت کے حامل افراد کی ایک ٹیم بہرحال وجود میں آچکی ہے۔

"انجمن خدام القرآن" کے صدر موسس نے آج سے کم و بیش دس' بارہ سال قبل نماز تروایح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے کٹھن کام کا آغاز کر کے اس تحریک کو ایک منفرد جہت عطا کی۔ یہ پروگرام اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس بابرکت کام کا آغاز لاہور کی جامع القرآن سے ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پروگرام کو انتہائی پذیرائی حاصل ہوئی چلی گئی۔ چنانچہ دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام لاہور کے علاوہ تمام بڑے شہروں میں

متعدد مقامات پر منعقد ہونے لگا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ پروگرام پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر گیا چنانچہ متحدہ عرب امارات' سعودی عرب اور امریکہ میں بھی اس کا انعقاد شروع ہو گیا۔ اس کے علاوہ محترم ڈاکٹر صاحب کے ویڈیو' آڈیو کیسٹس کے ذریعے نہ جانے کہاں کہاں یہ پروگرام انعقاد پذیر ہو رہا ہو گا' اس کا ہمیں صحیح اندازہ نہیں ہے۔ بہرحال تحریک رجوع الی القرآن میں دورۂ ترجمہ قرآن کو ایک اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔

انجمن خدام القرآن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد سالہا سال سے اس پروگرام کی سعادت بنفس نفیس حاصل کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ ایک مرتبہ ابوظہبی میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی ہے۔ گزشتہ دو تین سال سے وہ اپنی گرتی ہوئی صحت کے

"مسلمان اگر قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ اس کے مفاہیم پر بھی نظر رکھے تو اپنی حقیقت پہچاننے میں مشکل نہ ہو نیز اپنی زندگی کے نصب العین' منزل کا تعین اور منزل تک پہنچنے کے راستہ کا ادراک حاصل کر لے"

پیش نظر یہ پروگرام نہ کرا سکے۔ گزشتہ سال اپنے گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود وہ امریکہ کے رفقاء کے اصرار پر انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان کی خرابی صحت اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں آڑے آئی۔ امسال دوبارہ محترم ڈاکٹر صاحب امریکہ میں انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کی بھاری بھرکم ذمہ داری انجام دینے کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق وہاں یہ پروگرام کامیابی سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی صحت ان کا ساتھ دے تاکہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

گزشتہ سال محترم ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں ان کے سینئر شاگرد جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمہ قرآن کی ذمہ داری بااحسن طور پر ادا کی۔ اس سال یہ سعادت ان کے ایک دوسرے شاگرد رشید جناب ڈاکٹر عبدالسمیع کے حصہ میں آئی ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب' ڈاکٹر صاحب کے ان ساتھیوں میں سے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی اس تحریک کے ساتھ بہت شروع سے وابستہ ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع' محترم ڈاکٹر صاحب کی قرآنی فکر کو ہضم کئے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بجا طور پر یہ فرض ادا کرنے کے اہل ہیں۔ محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نہ صرف محترم ڈاکٹر صاحب کی فکر کی مختلف جہتوں سے آگاہ ہیں بلکہ اس کو بیان کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ یاب ہیں۔

یہاں ڈاکٹر عبدالسمیع کے اس مجاہدہ کا ذکر کرنا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ دورۂ ترجمہ قرآن کی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ہر روز فیصل آباد سے لاہور تشریف لاتے ہیں۔ دن کے کچھ اوقات میں وہ رزق حلال کے لئے اپنے مطب میں ہوتے ہیں' آدھا دن سفر میں گزارتے ہیں' اور رات کا بیشتر حصہ قرآن حکیم کے اسرار و رموز بیان کرنے میں بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران سفر کے آثار یقیناً ان پر نمایاں ہوتے ہیں' جنہیں واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے تاہم یہ ان کی ہمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جدوجہد کو شرف قبول عطا فرمائے۔

راقم جب یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہے' اس وقت' ۹ بجے شب' بروز اتوار ۴ فروری' قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں ۲۰۰ کے لگ بھگ شرکاء موجود ہیں۔ تمام حضرات کی نظریں مصحف پر جمی ہوئی ہیں' کان قرآن کے معارف کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں' دل قرآن کے پیغام ہدایت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ چار رکعتوں میں قرآن کا جو حصہ پڑھا جاتا ہے' اس کا ترجمہ و مختصر تفسیر سننے کے بعد حافظ عبداللہ محمود کی خوبصورت آواز میں قرآن سننے کے لئے نماز تراویح میں اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس طرح قرآن کا پیغام ہدایت ان شاء اللہ براہ راست ان کے قلوب پر نازل ہو گا اور شہد کے میٹھے قطروں کی طرح ان کے دل و دماغ میں اترتا چلا جائے گا۔ بقول اقبال۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحب کشاف

راقم نے دورۂ ترجمہ قرآن کے مستقل شرکاء میں سے چند ایک سے تاثرات لئے ہیں' جو ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

صلاح الدین چغتائی: (سب سے پہلے ہم محترم صلاح الدین چغتائی' جو ایک ماہر انجینئر ہیں' ہمارے اس پروگرام کے مستقل شرکاء میں سے ہیں' کے احساسات کو جگہ دے رہے ہیں' جنہوں نے قدرے تفصیل سے اظہار خیال فرمایا ہے۔)

دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام ماہ رمضان میں تراویح کی رکعتوں سے قبل قرآن کریم کی ان آیات کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہوتا ہے جو تراویح کی چار رکعتوں کے گروپ میں پڑھی جاتی ہیں۔ میں پہلی بار ۱۹۹۲ء کے رمضان المبارک میں اس پروگرام میں باقاعدگی سے شریک ہوا' جب یہ سعادت محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے حصہ میں آئی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال اس میں شرکت کر رہا ہوں۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے کہ جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ قرآن کے فہم میں اضافے کے لحاظ سے ایک مسلمان کے لئے اس سے بہتر INTENSIVE COURSE ممکن نہیں کیونکہ یہ پروگرام ماہ رمضان میں انعقاد پذیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتوں کے نزول اور فرشتوں کے سایہ میں انجام پاتا ہے۔ اس طرح ایک ماہ میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پورے قرآن میں سے گزرنے کے بعد کوئی بدقسمت ہی ہو گا کہ جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی اللہ کی رحمتوں سے محروم رہے' نیز اس کی زندگی میں کوئی محسوس تبدیلی وقوع پذیر نہ ہو۔

ایک سلیم الفطرت انسان کے قلب پر "دورہ ترجمہ قرآن" کے مجموعی اثرات نہایت موثر طریقہ سے وارد ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کے رخ میں لازماً ایک محسوس و مشہود تبدیلی لاتے ہیں لیکن یہ صرف سلیم الفطرت انسان کی بات ہو رہی ہے۔ آج کے عام انسان جو کہ شعور و احساس کے LEVEL SUB پر زندہ رہتے ہیں اور قرآن کی زبان میں جن کی زندگی ایک عام جانور کی سی ہے۔ ان پر میرے خیال میں صرف اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ ان کی نماز اور روزے کی پابندی میں شدت بڑھ جاتی ہے' یہ شدت وقتی بھی ہو سکتی ہے اور دائمی بھی' لیکن دین کے باقی بے شمار پہلوؤں اور ان کی عملی زندگی کے درمیان حائل پردہ جوں کا توں رہتا ہے۔ وہ صرف تراویح' قیام لیل اور قرات قرآن سننے کا ثواب کماتے ہیں' خشوع و خضوع کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی۔

سلیم الفطرت انسان پر "دورہ ترجمہ قرآن" کو یکسوئی کے ساتھ مکمل کرنے کے اثرات اس کے قلب کی مندرجہ ذیل کیفیتوں پر حقیقی معنوں میں وارد ہوتے ہیں:

(۱) معرفت ذات یعنی اپنی حقیقت کا ادراک
(۲) معرفت الٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان اور اس میں وسعت
(۳) قرآن کریم کے احترام کا حقیقی ادراک
(۴) سوچ میں اضطرار ----- اور
(۵) عمل کی خواہش

معرفت ذات: دورۂ ترجمہ قرآن مکمل ہونے کے بعد انسان کو اپنی حقیقت کا کسی نہ کسی درجے میں احساس ہو جاتا ہے۔ فوری طور پر تو احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ خود ایک انتہائی نامکمل اور ناقص انسان ہے جو کہ مسلمان کہلانے کے قابل بھی نہیں ہے' لیکن قرآن کریم کے ارشادات اتنے واضح' مکمل اور ابہام سے خالی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہر نہج اور ہر پہلو سے پرکھ سکتا ہے' اور پرکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت اس کی اپنی ذات کا ہر پہلو اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خوبیوں کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ اس کی بندگی' والدین سے محبت و احسان' دوسروں کے ساتھ اس کا سلوک' بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی' رزق کمانے کے طریقے' دوسروں کے لئے محبت و ایثار' ایفائے عہد' لین دین میں حلال و حرام کا احساس اور اس کی پابندی' خدا کے آگے جوابدی کا احساس' حق اور صبر کی تلقین غرضیکہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کا احتساب اس کے سامنے بڑے معروضی انداز میں ہو جاتا ہے۔ گویا قرآن کے آئینے میں وہ خود ہی اپنا محاسب ہوتا ہے۔ نیز زندگی کے ہر پہلو کی کوتاہی اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ یہی سلبی احساس قوت عمل کو مضطرب کر دیتا ہے۔ میرے خیال میں اپنی ذات کی صحیح پہچان "دورہ ترجمہ قرآن" کا بہت بڑا اعجاز ہے!

معرفت الٰہ اور اس میں وسعت: جہاں اپنی ذات کی پہچان ایک سلیم الفطرت انسان کو فوراً اور غیر مبہم انداز میں ہو جاتی ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا احساس بھی اس کے عرفان کے حوالہ سے عمیق تر ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بہت مناسب ہے کہ اللہ پر ایمان مسلمان کی ایک عظیم اکثریت کو فی الواقع ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر مجسم ہے' اس لئے انسان کے لئے اس کے وجود کا ادراک اس کے فہم سے ماورئی ہے۔ ہر انسان اپنے CONTEXT میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پرتو تو بار بار دیکھتا ہے لیکن اس کی ذات و صفات کا احاطہ نہیں کر سکتا' اور نہ ہی یہ مکمل طور پر کسی انسان کے بس کی بات ہے۔ "دورہ ترجمہ قرآن" کے دوران بار بار اس کی قدرت کی لامحدود وسعت اور اس کی مشیت کی بے انتہا گہرائی انسان کے پردہ سماعت سے ٹکراتی ہے۔ جب ہر ایک گھنٹہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو محمدؐ عربی کی زبان میں سنتا ہے' رکوع میں جاتا ہے' پھر اس کے سامنے سر بہ سجود ہوتا ہے تو اس ذات باری تعالیٰ پر اس کا ایمان اس کے دل کے ایک ایک گوشے میں سرایت کرتا ہے۔ انسان کی فطرت' کائنات کی وسعت' قوموں کا عروج و زوال اور اس کی اپنی قوم کی دگرگوں کیفیت' ان سب کا احساس نیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سب

"ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب دورہ ترجمہ قرآن کا پروگرام پاکستان پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر گیا' متحدہ عرب امارات' سعودی عرب اور امریکہ میں بھی اس کا انعقاد شروع ہو گیا"

چیزوں کا بیچ ہونا اس کے دل پر ثبت ہو جاتا ہے۔ یہی تھوڑی سی INCREMENT ہے جو اس کے ایمان میں جمع ہو جاتی ہے۔

قرآن کے احترام کا حقیقی ادراک: یہ ایک حقیقی المیہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے لفظ احترام کا مطلب "غلو کے ساتھ ستائش" ہے۔ ہم اسی جذبہ صد احترام کی وجہ سے قرآن کریم کو اپنے سے دور رکھتے ہیں' اونچی جگہ پر جس طرف ہمارے پاؤں نہ ہوں' اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم یا سابقہ قومیں اپنے بڑوں اور آباواجداد کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم قرآن کریم کو جزدانوں میں بند کر کے اس کی عزت کرتے ہیں۔ اسے پڑھتے نہیں' یہاں تک کہ اسے شیلف میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ "دورہ ترجمہ قرآن" کے دوران جب شروع میں ہی فوراً معاشرتی اور سماجی مسائل کی تفصیل اور ان کے سدباب کا ذکر آجاتا ہے تو قرآن کریم کے ضمن میں لفظ احترام کا مفہوم بدلنا اور واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسے جزدان سے نکال کر ایک مرتبہ نہیں بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ جتنا بھی وقت اجازت دیتا ہے انسان قرآن کے فہم کے حصول میں صرف کرتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارے تمام مسائل کا حقیقی حل اس میں موجود ہے اور قرآن کریم کی محترم شکل ایک محترم' بااعتماد "REFERENCE" کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

سوچ میں اضطرار: چار سے پانچ گھنٹے متواتر ایک ہی کتاب پر مسلسل ایک ماہ دلچسپی کے ساتھ ذہنی ارتکاز (CONCENTRATION) ایک ایسی مشق ہے جو کہ رمضان المبارک کی برکت سے صبر کا وہ پہلو انسان میں اجاگر کرتی ہے جو کہیں اور حاصل نہیں ہو سکتا۔ صبر کا وہ پہلو جو آپ کو اس عظیم کتاب کی قدر و قیمت سکھاتا ہے اور جب فرد قرآن پر وعظ کے بعد یہ کہتا ہے کہ پھر تم کیوں تفکر نہیں کرتے' کیوں تدبر نہیں کرتے' کیوں نہیں سنتے' کیوں غور نہیں کرتے تو انسان کی ودیعت شدہ مخفی قوتوں (POTENTIALITIES) میں اضطرار پیدا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری سوچ میری گرفت میں ہے۔ ہر ذاتی اور سماجی مشکل کا حل میرے پاس ہے اگر میں تدبر کروں' تفکر کروں' غور کروں تو کوئی مسئلہ لاحل نہیں ہے۔ اس ذہنی ارتکاز سے' جو ایک ماہ کی پریکٹس سے حاصل ہوتا ہے' عقل کی راہیں کھل جاتی ہیں اور آسان ہو جاتی ہیں۔ سوچ میں اضطرار جو اسے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے زیر اثر عمل پر اکساتا ہے "دورۂ ترجمہ قرآن" کا فوری ثمر ہوتا ہے۔

عمل کی خواہش: سوچ اور عمل کے درمیان ارادہ آتا ہے۔ یہاں سے قلب کا کام شروع ہوتا ہے۔ "دورہ ترجمہ قرآن" میں شمولیت کی ہمت وہی کرتا ہے جس کا دل کہتا ہے کہ قرآن کو سمجھنا شروع کر دو۔ سلیم الفطرت انسان پہلے ہی دن یعنی پہلے ہی چار پانچ گھنٹوں میں قرآن کے ساتھ پوری طرح منتہی ہو جاتا ہے۔ پھر ہر دوسرے' تیسرے دن کوئی نہ کوئی نجی رکاوٹ اس کے راستے میں حائل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور انسان سوچتا ہے کہ نماز تراویح فرض تو ہے ہی نہیں! اگر اس طرح کی رکاوٹوں کو عبور کر گیا تو جیسے جیسے اس کی حاضری اللہ کے حضور میں مسلسل رہے گی ویسے ویسے اس کے ارادہ کی قوت بھی مضبوط تر ہوتی چلی جائے گی اور جب قرآن سن لیا' سمجھ لیا تو اب زندگی گزارنا ایک کٹھن کام بن جائے گا' جس پر

قدم قدم پر خود احتسابی ہے۔

ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ جو مختصر سی تفسیر ہوتی ہے اس میں سے بہت کچھ ہدایت مل جاتی ہے۔ بقیہ کے لئے پھر تشنگی اور کم مائیگی کا احساس رہ جاتا ہے۔ "دورۂ ترجمہ قرآن" کی فوری برکات کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ عبادات جو کہ اپنے بس میں ہیں ان پر تو مکمل عمل شروع ہو جاتا ہے' نماز چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ روزہ اور زکوٰۃ پر پابندی سے عمل شروع ہو جاتا ہے لیکن جن کاموں پر اختیار نہیں' جن FACTORS پر اختیار نہیں ان کا احساس پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے ہوتا ہے مگر روزی بھی کمانی ہوتی ہے اور دوسری معاشرتی رکاوٹیں بھی دور کرنی ہوتی ہیں۔ سلیم الفطرت انسان اس علم سے تو آراستہ ہو جاتا ہے جو ہر عالم نے' ہر امام نے' ہر مفتی نے' ہر مذہبی جماعت نے' ہر مولوی نے چھپائے رکھا ہوتا ہے قرآن دوران "دورہ ترجمہ قرآن" اپنے تابڑ توڑ حملوں سے تیس دن میں اس سلیم الفطرت انسان کے اوپر اس علم کو لاد دیتا ہے اور اس کے عمل کی خواہش کو وہ مہمیز لگاتا ہے کہ وہ انسان ظاہر لاہوتی بننا چاہتا ہے۔ اب اسے یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ جس رزق سے پرواز میں کوتاہی آجائے اس سے موت اچھی ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس نے جینا بھی ہے' اہل و عیال کے حقوق بھی پورے کرنا ہیں اور مرنا بھی ہے۔ اسے یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اسے جینا ہے تو مسلمان بن کر اور مرنا بھی اسلام کی حالت میں ہے' گویا اسے قرآن کریم کی رہنمائی میں زندگی گزارنی ہے۔ "دورۂ ترجمہ قرآن" کا یہی حاصل ہے۔

ڈاکٹر ذوالفقار بیگ : (ڈاکٹر ذوالفقار بیگ صاحب علامہ اقبال میڈیکل کالج میں فزیالوجی کے پروفیسر ہیں اور گزشتہ کئی سالوں سے دورۂ ترجمہ قرآن کے بھاری بھرکم پروگرام میں شریک رہے ہیں۔ ذیل میں ان کے تاثرات دیئے جارہے ہیں۔)

کل شکر اور تعریف اس ذات کے لئے ہے کہ جس نے اپنے اس بندہ ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ امسال بھی "دورہ ترجمہ قرآن" میں شریک ہو۔ اس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ راقم نے اس سے پہلے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' محترم حافظ عاکف سعید اور انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کے "دورہ ترجمہ قرآن" میں بھی شرکت کی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے' یہ میرا مقام نہیں ہے۔

اس سال محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب سے استفادہ کا موقع ملا ہے۔ موصوف اس کام کے لئے جتنی مشقت اٹھا رہے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع کا انداز یقیناً دوسرے تمام اصحاب سے مختلف ہے۔ ان کے انداز کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت سادہ زبان میں اور سہل انداز میں قرآن کا ترجمہ بیان کرتے ہیں۔ نیز بہت ہی عام مثالوں سے قرآن کے مشکل مقامات سے گزر رہے ہیں۔ ان کے لب و لہجہ میں کبھی کبھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی روانی عود آتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے ہاں دو تین باتوں کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ موصوف سورتوں کے آغاز میں بیان کی جانے والی سورۃ کے بارے میں بڑی کم معلومات فراہم کرتے ہیں' اگرچہ وہ اکثر ترجمہ کے دوران اس کمی کا کسی حد تک ازالہ کر دیتے ہیں'... مگر اس سے سننے والوں کی تشنگی کسی درجے میں باقی رہتی ہے۔ دوسری

> **"وقت کے ساتھ ساتھ "تحریک رجوع الی القرآن" کو اللہ تعالیٰ نے پذیرائی عطا فرمائی جس کا ایک مظہر "انجمن خدام القرآن" کا پلیٹ فارم ہے' جس سے اس تحریک کو پھیلنے پھولنے کے مواقع میسر آئے"**

بات یہ کہ بعض اوقات ترجمہ کی روانی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ پوری آیت کی تلاوت کر کے ترجمہ کرتے ہیں حالانکہ ڈاکٹر اسرار صاحب اور انجینئر فاروقی صاحب بڑی خوبصورتی سے آیات کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر اس انداز سے ترجمہ کرتے تھے کہ سامع کا تسلسل ٹوٹنے نہ پاتا تھا نیز ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن اسی وقت نازل ہو رہا ہے۔

ایک اور بات کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر عبدالسمیع بعض اوقات بڑی ہی "بے باکی" کا مظاہرہ کر جاتے ہیں اور مقدس ہستیوں کے نام لیتے ہوئے القابات اور خطابات کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ہو سکتا کہ وہ ایسا ترجمہ کو سادہ بنانے کے لئے کرتے ہوں مگر اکثر اصحاب کی نظر اس وقت اٹھ جاتی ہے۔ امید ہے کہ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جائیں گے یہ شکایتیں بھی دور ہو جائیں گی۔ میری اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالسمیع کو مزید ہمت اور توفیق دے کہ وہ اپنی قرآن سے وابستگی مزید مستحکم بنا سکیں۔

جہانزیب : (متعلم ایک سالہ کورس' قرآن کالج لاہور)

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں دورہ ترجمہ قرآن کا پروگرام پچھلے کافی عرصے سے جاری ہے۔ دورہ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کا انعقاد ایک اچھی کاوش ہے' خاص طور پر ایک ایسے عہد میں جب مادہ پرستی پر مبنی رجحانات اپنے عروج پر ہیں' اور انہوں نے ہمارے اور قرآن پاک کے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کر دیا ہے کہ ہم اپنی اصل حقیقت کو کھو چکے ہیں۔ یہ ہمیں جو ہر طرف گمراہی' قتل و غارت اور مختلف النوع الجھنیں نظر آتی ہیں' یہ بے بلاوجہ نہیں ہیں۔ ان کا حقیقی سبب ہمارا قرآن اور اپنے دین سے انحراف ہے۔ کہنے کو تو ہم میں سے ہر ایک پکا مسلمان ہونے کا مدعی ہے لیکن ہم حقیقی اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ بہرحال یہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ لہٰذا اس کیفیت سے نکلنے کا بہترین اور واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو قرآن کے ساتھ وابستہ کر لیں' اس لئے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں ہماری فلاح ہے۔ بھلا سوچیں کہ اس دعا کی تاثیر کیا ہوگی کہ جس کا خود ہمیں علم تک نہ ہو کہ ہم اپنے رب سے کیا مانگ رہے ہیں!!

"دورہ ترجمہ قرآن" ہماری قرآن کے ساتھ وابستگی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یوں تو قرآن پاک کی محض تلاوت کی بھی بہت فضیلت ہے لیکن قرآن کی ہدایت سے ہم اس صورت میں استفادہ کر سکتے ہیں جب ہمیں اس کے مفاہیم سے آگہی حاصل ہو۔ "دورہ ترجمہ قرآن" میں شرکت سے بہت سے ایسے واقعات سے آگہی حاصل ہوتی ہے جن کا پہلے سرسری سا تعارف ہی حاصل ہوتا ہے اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو قرآن حکیم میں بیان ہونے والے حالات و واقعات ہماری سوچ کو یکسر بدل دیتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اور قرآن اس کا اولین ماخذ ہے' اس میں ہمارے لئے کامل ہدایت موجود ہے۔ ہماری فکری و عملی گمراہی کا اصل سبب قرآن سے انحراف ہے۔

دورۂ ترجمہ قرآن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ مسلمان اگر قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ اس کے مفاہیم پر بھی نظر رکھے تو اپنی حقیقت پہچاننے میں مشکل نہ ہو۔ نیز اپنی زندگی کے نصب العین' منزل کا تعین اور منزل تک پہنچنے کے راستہ کا ادراک حاصل

کرلے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

فیاض محمد: (فیاض محمد اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں فرنچ میں ماسٹرڈگری رکھتے ہیں۔ قرآن کالج سے گزشتہ سال ایک سالہ "رجوع الی القرآن" کورس کی تکمیل کر چکے ہیں۔ ذیل میں ان کے تاثرات جو انہوں نے "دورہ ترجمہ قرآن۔ ایک جائزہ" کے زیر عنوان لکھے ہیں' پیش کئے جارہے ہیں)۔

رمضان المبارک کے انوار و برکات کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ تمام آسمانی کتب اس مبارک مہینہ میں نازل کی گئیں۔ رمضان کے روزے پچھلی تمام امتوں پر بھی ویسے ہی فرض تھے۔ جیسے ہم پر ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون" (البقرہ) اس آیت مبارکہ میں اس بابرکت مہینے کے اختتام پر روزوں کا حاصل مقصد بیان کیا گیا ہے جو کسی بھی باعمل مسلمان کی زندگی کا اولین مقصد ہوتا ہے یعنی آخرت میں نجات کا حصول۔

"دورہ ترجمہ قرآن" ہمیں قرآن کے ساتھ اپنا تعلق مستحکم کرنے اور اسے زندہ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ہماری مادری زبان چونکہ عربی نہیں ہے' اس لئے ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہیں جو قرآن کو سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ ہمارے ہاں نماز تراویح کی جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور حفاظ کرام قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن ان کے پڑھنے کی اکثر بیشتر رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک گھنٹے میں بیس رکعت تراویح مکمل کرلیتے ہیں۔ اس تیز رفتاری میں عموماً تجوید کے قواعد کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ چیز موجب ثواب ہونے کے بجائے الٹا موجب گناہ بھی ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب آدمی بے سمجھے قرآن کو سنے گا تو اس کے لئے اس تلاوت کو پوری طرح Follow کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ جب وہ اس پیغام کو' جس میں پچھلی قوموں کے حالات اور واقعات' ان کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کے انجام کے ذریعے ہمیں ڈرایا جاتا ہے یا ان پر کئے جانے والے انعامات کے ذریعے ہمیں خوشخبری دی جاتی ہے' سمجھ نہیں پاتا تو اس سے اس کی ذات میں تبدیلی کیسے ممکن ہے؟ اس کتاب کو تو پڑھنے کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ عزوجل نے خود ہی تجویز کر دیا: "ورتل القرآن ترتیلا" یعنی' قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح پڑھا کرو۔ (المزمل) حدیث نبوی ﷺ ہے' آپؐ نے فرمایا' روزہ اور قرآن روزہ دار کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے اس بندے کو سارا دن کھانے پینے اور شہوات سے روکے رکھا۔ لہٰذا تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن اللہ تعالیٰ عزوجل سے کہے گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے اس بندے کو سونے سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ اس حدیث سے ہم جو بات اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ "قرآن کے ساتھ جاگا جائے"۔ سورۃ المزمل میں جو عمل حضور ﷺ پر فرض کیا گیا ہے' اگر ہم سال میں ایک ماہ کے لئے ہی اسے اہتمام کے ساتھ کرلیں تو روحانی اعتبار سے ہمارے لئے بہت نفع بخش ہے۔ اس عمل کا تذکرہ سورۂ مزمل میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ "یایھا المزمل قم الیل الا قلیلاO نصفہ او انقص منہ قلیلا" یہ نسخہ تزکیہ نفس کے لئے تجویز کیا گیا ہے اور نہایت موثر ہے' چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ "قرآن کتاب زندگی" ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے اور اس کا پیغام آفاقی ہے۔ تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ایمان کا دعویدار اس کتاب کو ایک ہی سانس میں پڑھ کر دل ہی دل میں مطمئن ہو جائے کہ اس نے بہت اچھا کام کرلیا۔ غلطی سے ہمارے ہاں ایک سوچ ذہنوں میں گھر کر گئی ہے کہ جو حافظ قرآن حکیم جتنا تیز پڑھتا ہے وہ اتنا ہی منجھا ہوا ہے۔ اس کے برعکس اگر ہمیں کسی امتحان کی تیاری کرنی مقصود ہو تو ہم اس SUBJECT کی "ٹیکسٹ بک" کو غور سے پڑھتے ہیں اور اسے سمجھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں تاکہ امتحان میں اچھی پوزیشن لے سکیں۔ آخرت میں ہمیں جس امتحان سے واسطہ ہے وہ سب سے مشکل ہے۔ اس امتحان کی تیاری کی کتاب یعنی قرآن مجید کو تو جتنا بھی سمجھ کر پڑھا جائے اتنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ عام زندگی میں دیکھا گیا ہے کہ جب ہم بازار سے کوئی home appliance خریدتے ہیں تو اس کے MANUEL یا BOOK LET کو بڑے غور سے پڑھتے ہیں۔ اس کے CONNECTION احتیاط سے لگاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں TROUBLE FREE SERVICE دے۔

الحمدللہ کہ انجمن خدام القرآن نے گزشتہ کئی سالوں سے "دورہ ترجمہ قرآن" کا انعقاد شروع کر رکھا ہے جو دور حاضر میں اپنی نوعیت کی بے مثال روحانی و علمی مشق ہے اور پورے ملک میں انجمن کے مختلف مراکز میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ گو اس میں شرکت کے لئے عام معمول کی بیس تراویح کی نسبت چار گنا وقت لگ جاتا ہے لیکن اس کے گوناگوں فوائد کے پیش نظر ہمارا وقت بہت ہی قیمتی بن جاتا ہے۔ ہر چار رکعت میں پڑھی جانے والی آیات مبارکہ کی مقدار کا پہلے رواں ترجمہ اور تشریح کی ساعت سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو "برق رفتار تراویح" میں کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ ترجمہ کی تشریح کرتے ہوئے صاحب علم مترجم اپنے علم و فضل سے خوبصورت اور دلکش رنگ بھر دیتے ہیں۔ سامعین مختصر خطبہ کے بعد اپنی تمام تر توجہ اس مضمون پر مرتکز کر دیتا ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو اس آئینہ کے سامنے پاتا ہے جو اسے اس کا DEEP INSIDE دکھا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تلاوت بھی تجوید کے اصولوں کے مطابق ہو اور حافظ صاحب کو اللہ نے خوبصورت آواز سے بھی نوازا ہو تو انسان یقیناً اس "نور ہدایت" سے جس میں RYTHM اور POETRY کی INCOMPARABLE اور UNMATCHABLE صفات ہیں' لطف اندوز ہوتا ہے۔

> **"ایک سلیم الفطرت انسان کے قلب پر "ترجمہ قرآن" کے اثرات نہایت موثر طریقہ سے وارد ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کے رخ میں ایک محسوس و مشہود تبدیلی لاتے ہیں لیکن یہ سلیم الفطرت انسان کی بات ہے' ان لوگوں کی نہیں جن کی زندگی جانوروں کی سی ہے"**

قرآن مجید ایک آفاقی پیغام ہے۔ یہ کسی کی جاگیر یا میراث نہیں ہے کہ ایک خاص طبقہ اسے پڑھے' سمجھے۔ "کتاب اللہ" ہر دینی و علمی سطح کے لوگوں کے لئے کامل ہدایت ہے۔ ایک کم علم والا انسان بھی اس سے اپنی استطاعت کے مطابق استفادہ کر سکتا ہے۔ دورہ ترجمہ قرآن کو ATTEND کرنے سے انسان کو

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے

قانون کی حکمران کے ذمہ دار ادارے خود اپنی بقاء کی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں۔ تعلیمی ادارے مفلوج' مذہبی درسگاہیں بے روح' دینی تحریکیں بے جان' اصلاح اور حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیمیں بے بس اور بے اثر' سب سے زیادہ تشویش دینی تحریکوں کے بارے میں ہے۔ اس لئے کہ اس ملک کی آبرو مندانہ بقا اور استحکام کی اگر کوئی صورت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام کے ذریعے ممکن ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے تحریک اسلامی کی جماعت اسلامی سب سے بڑی جماعت تھی' مگر لگتا ہے وہ موثر زندگی گزار چکی ہے۔ مولانا مودودی مرحوم کو عالمی شہرت حاصل تھی جو کام آ رہی ہے یا پھر مستقبل کے بارے میں کچھ امیدیں سہارا ہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب کبھی الجزائر کے اسلامک سالویشن فرنٹ اور کبھی ترکی کی رفاہ پارٹی کے حوالوں سے نیا عزم لے کر آتے ہیں کہ عوام کا ایک ریلا آئے گا اور جماعت کو سیدھا تخت حکومت پر پہنچا دے گا۔ ع

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

ایوان اقتدار کے اصل کھلاڑیوں کو تو "مار" کھائے بغیر راستہ ملتا نہیں۔ پہلے پیپلز پارٹی نے مار کھائی اور اقتدار میں آئی' اب نواز لیگ کھا رہی ہے۔ دیہات میں ایک رسم ہوتی تھی کہ نکاح سے پہلے دولہا کی پٹائی ہوتی تھی یا جیسے ہندوؤں میں سوئمر رچایا جاتا تھا۔ لیلائے اقتدار کی رسائی حاصل کرنے کے لئے سیاسی جماعتوں کو تن' من اور دھن کی بازی لگانا پڑ رہی ہے۔ تو آپ کو اس کے بغیر کون پوچھے گا جناب! دین کا کام کرنے والوں کے لئے تو آزمائش ویسے بھی شرط لازم ہے۔ تحریک خلافت والی تنظیم اسلامی' جماعت اسلامی ہی کا پرتو ہے' لہٰذا وہی معاملہ اس کا ہو سکتا ہے جو جماعت اسلامی کا ہو رہا ہے۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ ان کا سارا توکل اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ہے۔ دنیاوی اسباب و وسائل کے بارے میں نہ وہ زیادہ حریص ہیں اور نہ ان پر کوئی زیادہ انحصار ہے۔ لہٰذا ان کی ساری جدوجہد اس بنا پر ہے کہ وہ اسے اپنا دینی فریضہ تصور کرتے ہیں۔ ملک کے مذہبی طبقے کا بحیثیت مجموعی جہاں تک تعلق ہے اس کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے کوئی ہوش مند شخص اس کے ہاتھ حکومت دینے کا نہیں سوچ سکتا تو صدائے لا الہ الا اللہ کہاں سے آئے۔

انگریز کے پروردہ "بالائی" طبقے سے کسی قسم کی نیکی کی توقع عبث ہے' حماقت ہے۔ وہ انگریز کا ہے اسی کا رہے گا۔ اس کی سوچ' رہن سہن' رنگ ڈھنگ ہر شے جدا ہے۔ نہ پہلے اسے اس ملک اور اس کے رہنے والوں سے کوئی محبت اور ہمدردی تھی' نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ اسے صرف اور صرف اپنی عیاشیوں اور رنگینیوں سے غرض ہے۔ عوام الناس صدیوں سے ڈھور ڈنگ بنے ہوئے ہیں' وہی کچھ رہیں گے۔ ان کی بلا سے سکھ آئیں یا انگریز یا اب بھٹو آئیں یا نواز۔ انہیں اپنے پاپی پیٹ سے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ باقی رہ گیا درمیانہ طبقہ جو کچھ بھی ہے یہی ہے۔ اس میں طلباء کا طبقہ ایسا ہے جسے آپ جس طرح اور جہاں چاہیں کام میں لا سکتے ہیں۔ اسے آپ ہمیشہ مستعد پائیں گے۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس حد تک اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دوسرا اہم ترین طبقہ وکلاء کا ہے۔ اس طبقے میں کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد موجود ہے اور نہایت عمدہ سوچ اور کردار کے حامل افراد اس طبقے میں موجود ہیں۔ فوج میں عموماً اسلام سے گہری محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے مگر اس کا ظہور اکثر فرائض کی نسبت نوافل کی کثرت کی شکل میں ہوتا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اگر بروقت رابطہ قائم ہو جائے تو ان میں اسلام کے لئے کام کرنے کی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح صحافت اور دوسرے اہم شعبوں میں آپ کو بہت کار آمد افراد مل جائیں گے۔ یہ سب ایسے افراد ہیں جو حتمی طور پر اس کے قائل نظر آتے ہیں کہ جاگیرداری اور سود کا خاتمہ کئے بغیر پاکستان میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لا سکتی۔ قاضی حسین احمد صاحب کا فرمانا بھی یہی ہے کہ سودی نظام کا خاتمہ ان کی اولین ترجیح ہے۔ اس وجہ سے نواز لیگ کے ساتھ ان کی رفاقت نہیں ہو رہی۔ لیکن جو حضرات ان دونوں' یعنی جاگیرداری اور سود کا خاتمہ ضروری سمجھتے ہیں ان کی تو آپس میں رفاقت ہو سکتی ہے اور اس بنیاد پر تحریک چلائی جا سکتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو خال خال لوگ ادھر ادھر موجود ہیں یہ آپس میں کیسے جڑیں۔ اس کا غالباً ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ایسے حضرات براہ راست ملاقاتوں اور تبادلہ خیالات کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب آئیں اور ایک مشترک لائحہ عمل اختیار کریں۔ اخباری بیانات یا جلسے جلوسوں کے ذریعے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ایک اہم تصور یہ پایا جاتا ہے کہ سارا کام تعلیم کے میدان میں ہونا چاہئے تاکہ عوام کی خاصی بڑی تعداد کو صحیح شعور حاصل ہو جائے' لوگوں کی ذہنی سطح بلند ہو اس کے بعد ملک میں تبدیلی لانا مشکل نہیں رہے گا۔ اول تو اتنے بڑے پیمانے پر لوگوں کو موزوں تعلیم فراہم کرنا آسان کام نہیں لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایسا کرنا ممکن ہے تو جب تک عراق سے تریاق آئے گا' سانپ کاڈسا جان دے چکا ہو گا۔○○

بقیہ : میں زہر ہلاہل کو . . . .

حکمران "خادمھم" کا پیکر بننے کی بجائے "ظالمھم" کا نشان بنے ہوئے ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب' کوئی قانون' کوئی اخلاقی ضابطہ حکمرانوں کے اس ظلم و ستم کی تائید نہیں کرتا۔ مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ نے امت عدل بنایا تھا۔ پوری دنیا میں اسلام کے عادلانہ نظام کا نفاذ اس امت کی ذمہ داری اور فرض قرار دیا گیا مگر آج ہم خود اس نظام عدل و قسط کے متلاشی اور نظام ظلم کا شکار ہیں۔ ظلم و استحصال کی ہر مکروہ شکل سے ہمیں واسطہ پڑ رہا ہے۔

لوگو! سوچو تو سہی ملک و قوم کی خدمت کا دم بھرنے والے چنگیز اور ہلاکو' فرعون اور نمرود' قارون اور ہامان' ابوجہل اور ابولہب کا کردار ادا نہیں کر رہے؟۔ ان بدکردار عناصر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خواہش اور تمنا ہر دکھی دل کی آواز ہے۔

بقیہ : حدیثِ امروز

افغانستان کی جنگ میں روس کو شکست ہوتے تک امریکہ پاکستان کو بہترین دوست قرار دے کر اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے خواب دیکھتا رہا مگر جونہی روسی شکست پر جنگ ختم ہوئی امریکہ نے پاکستان کے ساتھ تو کون اور میں کون والا رخ اختیار کر لیا۔ پھر پاکستان پر پریسلر ترمیم کے جانبدارانہ اطلاق کے نتیجے میں امریکہ نے جو زیادتی کی اس کے زخم ابھی تازہ ہیں۔ بوسنیا میں مسلمان آبادی کے ساتھ سربوں نے ظلم کی انتہا کر دی تو امریکہ محض خاموش تماشائی بنا رہا۔ اسی طرح اسرائیل نے کس کی شہ اور کس کے ایما پر فلسطینیوں کا جینا دوبھر کئے رکھا۔ ایران' عراق اور کویت کی جنگ کا منصوبہ کس نے بنایا جس کے نتیجہ میں امریکہ نے خطے میں تیل کے ذخائر پر بالواسطہ کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ یہی منافقانہ چال کشمیر کے بارے میں چلی جا رہی ہے۔ پھر بھی امریکہ خود کو امت مسلمہ کا فطری حلیف کہے! نہیں' غالباً یہ لفظ حلیف سفیر صاحب کی زبان سے سہواً نکل گیا۔ وہ دراصل فطری حریف کہنا چاہتے تھے۔

بقیہ : پیام صوم

اسلامیہ) تم کو چن لیا ہے اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں فرمائی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے' اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا' پہلے بھی اور آج بھی' (کوشش کرنے کا) نتیجہ یہ ہوگا کہ رسولؐ تمہارے نگران رہیں گے اور تم دنیا کے نگران رہو گے۔ پھر لوگو نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے قوانین کو مضبوطی سے اپنے پر نافذ کرو' وہی تمہارا اصل حاکم ہے اور حاکم بھی ایسا جو محض حاکم نہیں بلکہ تمہارا مددگار بھی ہے۔ (الحج ۷۸)

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نظام حق کے قیام کی جدوجہد میں حصہ لینے اور استقامت پذیر رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔OO

بقیہ : منبر و محراب

ہے۔ پھر اب ہمارے ہاں یہ چیزیں حالات کے دباؤ کے تحت جز پکڑ لیتی ہیں۔ علماء نے حالات کے تقاضوں سے کچھ مجبور ہو کر' دباؤ کے تحت اس قسم کی رعایتیں لوگوں کے لئے پیدا کی ہیں لیکن یہ چیزیں ہماری کتاب قانون کا مستقل جز نہیں بن سکتیں۔ اس حوالے سے حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ ان کی زوجہ نے عدت پوری ہونے کے بعد حضرت رفاعہؓ سے شادی کر لی۔ لیکن شادی کرنے کے بعد اس خاتون نے کہا کہ میں نے اصل میں آپ سے اس لئے نکاح کیا تھا کہ چونکہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے مجھے طلاق دے دی تھی اور طلاق مغلظ تھی۔ میں نے سوچا کہ آپ سے شادی کر لوں اور پھر آپ سے میں طلاق حاصل کر لوں تاکہ میں دوبارہ عبدالرحمٰن ابن عوف سے شادی کر لوں۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں انہیں بھی خیال آیا ہو کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ لیکن کہیں یہ صراحت نہیں ملتی کہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے یہ بات کہی ہو' قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے' اس کے علاوہ نہ ہی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رفاعہ نے اسی لئے نکاح کیا تھا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف سے یا ان کی بیوی سے کوئی معاہدہ پہلے سے ہوا ہو۔ بالکل نارمل طریقے سے نکاح ہوا ہے کہ ایک مطلقہ خاتون ہے' اس سے ایک اور شخص نے شادی کر لی ہے۔ اب خاتون کہہ رہی ہے کہ تم مجھے اگر طلاق دے دو تو میں اپنے سابق شوہر کی طرف ہی رجوع کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں پھر حضورؐ سے پوچھتا ہوں۔ حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا تمہاری اس کے ساتھ ہمبستری ہوئی ہے' انہوں نے کہا نہیں' ابھی وہ نوبت نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا نہیں' اس سے پہلے نہیں' ہمبستری ہو لے پھر اگر آپ چاہیں تو طلاق دے دیں۔ پھر وہ عدت پوری ہونے کے بعد عبدالرحمٰن ابن عوف کے ساتھ شادی کر سکتی ہے یعنی "تنکح" کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ نکاح کے بول پڑھائے جائیں یا یہ کہ صرف فارموں پر دستخط ہو جائے بلکہ یہ کہ ہمبستری کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس حدیث میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت رفاعہ نے یہ شادی اسی معاہدے کے تحت کی تھی۔ حضرت رفاعہ نے نارمل جیسے شادی ہوتی ہے اس انداز میں کی ہے۔ اب وہ خاتون طلاق کے لئے کہہ رہی ہے۔ خاتون کو خلع کا حق حاصل ہے لیکن یہ کہ اس سے حلالہ کے جواز کے لئے کوئی دلیل نہیں نکلتی۔ کتاب و سنت میں اس کے جواز کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اگر کوئی امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہوتا' صاحبین کا فتویٰ ہوتا' امام ابو یوسف کا ہوتا' امام محمد کا ہوتا' امام زفرؒ کا ہوتا' امام مالک کا ہوتا' تب بھی کوئی بات سوچنے کی تھی۔ اب ہمیں ان تمام چیزوں کو جو ہماری تاریخ کے اندر مختلف حالات کے تحت در آئی ہیں' ان لوگوں کی باتوں کو ہمیشہ کے لئے اس طرح سمجھ لینا کہ یہ پتھر پر لکیر ہے' یہ طرز و فکر درحقیقت صحیح نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں بھی کہا ہے کہ اس مسئلے کا طلاق ثلاثہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ چاہے یہ ایک وقت میں دی گئی ہوں' چاہے مختلف مواقع پر دی گئیں ہوں' مسئلہ پھر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔OO

بقیہ : مکتوب کراچی

محسوس کر سکتا ہے جس کا بیٹا اندرون سندھ کسی جیل میں بھیج دیا گیا ہے اور وہ وہاں اپنے جوان ہونے کے جرم کی سزا کاٹ رہا ہے۔ ماؤں کے آنسو خشک نہیں ہو رہے ہیں وہ اپنے لاڈلوں کو یاد کر کے ہر وقت روتی رہتی ہیں میں نے ایسی بہت سی آنکھوں کو بہتے دیکھا ہے۔ آپ بھی اگر یہ منظر دیکھنا چاہیں تو سینٹرل جیل کراچی آ جائیں جہاں سینکڑوں مرد' عورتیں بچے اور بوڑھے نوحہ کناں ملیں گے۔ میں نے لوگوں کو بلکتے تڑپتے دیکھا ہے جو زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ کیا پاکستان ہم نے اسی لئے بنایا تھا۔ وہاں کوئی صحافی نہیں پہنچتا' کوئی دانشور جا کر منظر نہیں دیکھتا۔ ہمارے دینی حضرات کا تو یہ شعبہ نہیں رہا۔ ہے۔ ان کے مدرسوں کے لئے غریب چندہ دیتے ہیں اور وہ اختلافی مسائل کو ہوا دیتے ہیں۔ جو لوگ ملک و ملت کا درد رکھتے ہیں وہ بھی ان مسائل پر اظہار کے لئے فائیو اسٹار ہوٹل کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ ان بستیوں کا دورہ کریں ان کے مکینوں سے پوچھیں کہ ان پر بار بار یہ قیامت کیوں گزر رہی ہے۔ اللہ میاں کی قیامت تو ایک ہی بار آئے گی' یہاں تو بار بار آتی ہے اور لوگوں کو غم و اندوہ میں مبتلا کر کے چلی جاتی ہے۔ یہ حضرات ان جیلوں کا بھی دورہ کریں جہاں پاکستان کے مستقبل کو بنانے والے نوجوان اذیت ناک کرب میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔

حقائق سے آگاہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان خاندانوں سے ملاقات کی جائے جن کے نونہال جعلی پولیس مقابلے میں مار دیئے گئے ہیں۔ اس بستی کے لوگ بتائیں گے کہ ایک ہفتہ قبل گھر سے گرفتار کر کے لے جایا گیا اور پھر اس کی لاش اس شان سے آئی کہ وہ ایک دہشت گرد تھا جو مقابلے میں مارا گیا۔ ایسا مقابلہ جس میں فریق ثانی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

حکومت تو فریق بن چکی ہے۔ اس سے کسی خیر کی امید رکھنا بیل سے دودھ کی آرزو ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں میڈیا ہے وہ دن رات سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حقائق معلوم کرنے کے لئے اہل درد کو ان علاقوں کا دورہ کرنا ہو گا۔ تاریخ کا سفر جاری ہے۔ تاریخ ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گی جو "علم و قلم" رکھتے ہوئے مصلحت کا شکار ہو گئے ہیں یا کسی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ تاریخ رقم ہو رہی ہے۔ دن یکساں ہمیشہ نہیں رہتا' وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب حقائق سامنے آئیں گے۔ مظلوموں کے ہاتھ ظالموں کے گریبانوں تک ضرور پہنچیں گے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا مل کر رہے گی۔ جب قاتیل کے قتل تک کا حصہ قیامت تک پہنچتا رہے گا تو ذمہ دار لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کی موجودگی میں جو قتل ہو رہے ہیں اس سے وہ کس طرح اپنا دامن بچا سکیں گے'

تاریخ کے صفحات پر جو انسان بڑے ہیں
ان میں بہت ایسے ہیں جو لاشوں پہ کھڑے ہیں

☆☆☆☆

عوام پر حکمرانوں کی تازہ نوازشیں !

نعیم اختر عدنان

صدر کی ۹۱ لاکھ ۲۷ ہزار کی سالانہ مراعات ..... لمحۂ فکریہ!

اس ملک کے عوام نصف صدی سے فرعونوں اور نمرودوں کے قبضہ میں ہیں

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ براؤن صاحبوں سے نجات حاصل کی جائے؟

قومی پریس تمام تر سیاسی وابستگیوں کے باوجود عوام الناس کو دیس' پردیس کی تازہ بہ تازہ خبریں ہی نہیں کبھی کبھار اس ملک کے حکمرانوں کی وارداتوں سے آگاہ کرنے کا خوشگوار فریضہ بھی ادا کر دیا کرتا ہے۔ اگرچہ جو وارداتیں پریس کے ذریعے عوام الناس جنہیں حکمران "کالانعام" یعنی ڈھور ڈنگر سمجھتے ہی نہیں' بنا بھی لیتے ہیں' کے علم میں آنے والی تازہ وارداتوں میں سے ایک کا تعلق ڈیوٹی فری کاریں درآمد کرنے کی رعایت دینے کے حکم نامے سے ہے۔ خبر نگار نے ملک و قوم کے بہترین مفاد کی حامل حد درجہ اہم خبر دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اس طرح کی (شاہی بخشش" رعایت صدر' وزیر اعظم اور صوبائی گورنروں کو پہلے ہی میسر تھی لیکن اب حکومت نے صوبائی وزراء اعلیٰ کو بھی مہنگی ترین ڈیوٹی فری کار منگوانے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ دوبارہ وزیر اعلیٰ بننے پر یہ سہولت دوسری بار حاصل ہوگی۔

حکمرانوں کی اس تازہ واردات کی خبر نے مجھے کاغذ اور قلم ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیا اس لئے کہ میرے پاس اس وقت اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر طاقت ہوتی تو اس کا استعمال بھی کیا جاتا لیکن جب تک طاقت نہیں ہے برائی کے خلاف نفرت کے اظہار کے لئے زبان و قلم کا استعمال تو ہر حال میں ہونا ہی چاہئے۔ اگرچہ اس طرح کے سرکاری سطح پر پروان چڑھنے والے منکرات کو روکنے کے لئے ان سے محض نفرت کا یہ درجہ کفایت نہیں کرتا۔ چاروں صوبوں کے راج کماروں کو دی گئی اس رعایت پر میرے دل کے پھپھولے سینے کے داغ بن کر جل رہے تھے کہ صدر پاکستان کی مراعات میں سوفیصد اضافے کی خبر مجھ پر بجلی بن کر گری' جس نے میرے جذبات و خیالات کے گھروندے کو آگ لگا دی۔ صدر مملکت کی مراعات میں حالیہ اضافے کے بعد صدر کی سالانہ مراعات ۹۱ لاکھ ۲۷ ہزار سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔

ملک کا باشعور اور "بے شعور" ہر دو طبقات جانتے ہیں کہ ملک کے اقتدار اعلیٰ پر قبضہ گروپ گزشتہ نصف صدی سے قومی وسائل کو کسی مفتوح قوم کے مال غنیمت کی طرح لوٹنے میں لگا ہوا ہے۔ ملک کے ہر حکمران کے ہاتھ عوام کی امنگوں اور خواہشات کے خون سے رنگین ہیں۔ گویا ملک کی اس لوٹ سیل کے حمام میں قدرتی وسائل سے مالا مال' بلا استثنیٰ ہر حکمران ننگ دھڑنگ نظر آتا ہے۔ اللہ نے کسی کی بینائی سلب نہ کر لی ہو تو ہر ایک کو نظر بھی آتے ہیں۔ قدرتی وسائل سے مالا مال' محل وقوع کے اعتبار سے حد درجہ اہمیت کی حامل' دنیا کی سب سے بڑی مسلمان ریاست کے باشندوں کو درماندہ و پس ماندہ اور بین الاقوامی بھکاری بنانے کا عظیم اور مثالی کارنامہ اقتدار پر قابض چند وڈیروں ہی کا مرہون منت ہے۔

پاکستان کی زرخیز زمینوں کا مالک و مختار یہی طبقہ ہے۔ وطن عزیز کے اعلیٰ ترین سول' سیاسی اور فوجی مناصب اور عہدوں پر یہی لوگ نسل در نسل براجمان چلے آ رہے ہیں۔ فیکٹریوں اور ملوں پر انہی کی حکمرانی کا سکہ رواں دواں ہے۔ غرض عوام کی عظیم اکثریت ملک کے حکمرانوں کی بے جا خواہشات کو پورا کرنے کے لئے غلاموں کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ شدید ترین محنت و مشقت کے باوجود زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنا ان کے لئے روز بروز مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے گویا ان کی زندگی کا بوجھ اب زمین نے اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ آئے دن ہم پڑھتے ہیں کہ بہت سے نوجوان غم روزگار کے ہاتھوں شکست کھا کر زندگی کی بازی ہی ہارنے کا تلخ فیصلہ کر گزرتے ہیں۔ ان کا یہ فیصلہ خاندان کے کتنے نفوس کو غربت و افلاس کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے' یہ الگ مسئلہ ہے۔ صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ ماچس کی ڈبیہ ہو یا کاغذ و پنسل' آٹا ہو یا گھی شکر' تیل ہو یا صابن' انسانی استعمال کی ہر شے پر حکمرانوں نے اپنی عیاشیوں کی تکمیل کے لئے بھاری ٹیکس عائد کر رکھے ہیں۔ بجلی ہی کو لیجئے محصول' سرچارج اور اضافی سرچارج کے نام سے عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے۔ گویا بجلی کا بل ان پر بجلی بن کر گرتا ہے۔ گرانی نے گھر کے تمام افراد کو اعصابی تناؤ' ذہنی پریشانی اور نہ جانے کن کن نفسیاتی امراض میں مبتلا کر دیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ عوام کا استحصال کرنا حکمرانوں کا محبوب مشغلہ اور سرکاری نصب العین بن چکا ہے۔

ملک کے تحت حکومت پر قابض ظالم حکمران تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد عوام کو مزید قربانی دینے کا مژدہ جانفزا سناتے رہتے ہیں' نیز اس قربانی کی حکمتوں پر سے بھی پردہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ یوں عوام کے رنج و غم میں اضافہ کرنا حکمرانوں کا قومی فریضہ بن چکا ہے۔ "دیوانہ بکار خود ہشیار باش" کے مطابق حکمران طبقات ہر آن اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے مراعات اور سہولتوں کے نام سے قومی خزانہ لوٹنے میں مصروف ہیں۔ ان کی اس "نیک" کام میں برق رفتاری سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شائد ان کے لئے یہ آخری موقع ہے۔ للذا اپنی آخرت کے لئے جتنا زاد راہ جمع کر سکتے ہیں' کریں۔

پیغمبر آخر و اعظم رحمت اللعالمین کا ارشاد گرامی ہے کہ "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے' مگر ہمارے

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مکتوبِ کراچی

کراچی ..... زخموں سے چور چور' ہماری غفلت کی تصویر !

کراچی میں نوجوانوں پر ٹوٹنے والی قیامت کو دیکھے بغیر کون سمجھے گا؟

نجیب صدیقی

کیا جوان ہونا ہی ان کا جرم ہے؟

یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا

آج کا کراچی ایک ایسا شہر ہے جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود ہر نئے آنے والے کو پر رونق نظر آئے گا۔ سڑکوں پر وہی گاڑیوں کا رش ہے' پیدل چلنے والوں سے فٹ پاتھ بھری ہوئی ہیں' بازاروں میں گہما گہمی بھی پہلے ہی کی طرح نظر آئے گی' مگر دلوں میں ویرانی ہے' خوف ہے' انجانے وحشت ناک وقت کے اچانک آ جانے کا ڈر ہے۔ کب کیا ہو جائے' یہ اندیشہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ روزانہ سینکڑوں شادیاں بھی ہو رہی ہیں' لوگ ان شادیوں میں بجھے دل سے شریک ہوتے ہیں' ایک فریضہ سمجھ کر اور بس! نہ وہ ولولے ہیں نہ ہماہمی ہے۔

اس شہر پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کے متعدد پہلو ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو اس کا پورا حق سلب کر لیا گیا ہے۔ کارپوریشن پر غیر منتخب لوگوں کا قبضہ ہے۔ یہ تمام کے تمام جیالے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کراچی کے ممبران شکنجے میں کس دیئے گئے ہیں۔ حکمران جماعت جو چاہتی ہے اسمبلی میں پاس کر دیتی ہے' اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس جماعت کے لیڈر اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی جمہوریت کے چیمپئن ہیں اور حقوق کے لئے آواز بلند کرنے والے' ملک کو بچانے کی صدا لگانے والے غدار!

معاشی اعتبار سے غرباء اور متوسط طبقے کے لوگ انتہائی پریشان ہیں۔ نوجوانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اس کمی کو دیہی علاقوں کے لوگوں سے پر کیا جا رہا ہے۔ میرٹ کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ سب سے بڑی اہلیت حکمرانوں کا منظور نظر ہونا ٹھہرا ہے۔ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد جیلوں میں ہے۔ آئے دن کے محاصروں اور چھاپوں سے تنگ آ کر لوگوں نے اپنے بچوں کو دوسرے شہروں میں بھیج دیا ہے۔ وہ بچے جو محنت مزدوری کرتے تھے' خوف سے تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اس طرح خاندان کے خاندان فاقہ کشی کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ غرباء اور متوسط طبقے کے نوجوان پولیس اور رینجرز "ہدف" ہیں۔ ایک ایک علاقے میں دس دس بار چھاپے پڑ چکے ہیں اور ہر بار کچھ نہ کچھ بچے پکڑے جاتے ہیں' ان کا نوجوان ہونا ہی جرم ہے۔ زندگی پر اس طرح کی ڈاکہ زنی آخر کب تک جاری رہے گی۔ کچھ لوگ تو اپنے گھر کا زیور تک بیچ کر' اپنا اثاثہ بیچ کر بچوں کو چھڑا لاتے ہیں' اس کے برعکس جن کے پاس دینے کو کچھ نہیں ان کے بچے متعدد مقدمات میں دھر لئے جاتے ہیں۔ مقدمات کا "ہار" پہلے سے تیار ہوتا ہے جو ان کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو عدل اسلامی کے قیام کے لئے بنایا گیا تھا۔ جس کا صدر اور وزیر اعظم اس بات کا حلف اٹھاتا ہے کہ وہ اس ملک میں انصاف قائم کریں گے۔ ہمارا دستور اس اعتبار سے بانجھ ہے کہ اس میں ایسی کوئی شق نہیں جس کے ذریعہ حلف کی کھلی خلاف ورزی پر مقدمات قائم کئے جا سکیں۔ گویا دستور میں فرائض کا تعین تو ہے' ادا نہ کرنے پر باز پرس' سزا اور محاسبہ کا کوئی واضح طریقہ کار نہیں ہے۔

بچے بچے کو معلوم ہے کہ ظلم کی ننگی تلوار بے گناہوں کو دن رات قتل کر رہی ہے۔ بے گناہ جیلوں میں ٹھونسے جا رہے ہیں جہاں ان پر بے پناہ ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ دنیا بھر کا پریس پکار پکار کر اس ظلم کو عریاں کر رہا ہے مگر ہمارے مقتدر حضرات جنہوں نے اس بات کا حلف اٹھایا ہے کہ وہ ملک میں عدل قائم کریں گے سب کچھ جانتے ہوئے بھی بے خبر ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ لوگ بے خبر ہوں۔ اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس اگر ختم ہو گیا ہے تو خلق خدا کی شرم بھی انسان کی اصلاح کے لئے جذبہ محرکہ بن جاتی ہے۔ ضمیر نام کی چیز زندہ ہو تو وہ بھی بے چین کر دیتی ہے۔ ہمارے حکمران ان سب چیزوں سے یکسر عاری نظر آتے ہیں!

"یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو عدل اسلامی کے قیام کے لئے بنایا گیا تھا۔ جس کا صدر اور وزیر اعظم اس بات کا حلف اٹھاتا ہے کہ وہ اس ملک میں انصاف قائم کریں گے۔ ہمارا دستور اس اعتبار سے بانجھ ہے کہ اس میں ایسی کوئی شق نہیں جس کے ذریعہ حلف کی کھلی خلاف ورزی پر مقدمات قائم کئے جا سکیں"

کراچی کی صورت حال کا ایک انتہائی اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ ان نوجوان بچوں کو کراچی جیل سے اندرون سندھ کی جیلوں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ اپنے بچوں سے ملنے کے لئے والدین اور عزیز و اقارب اندرون سندھ سفر کرتے ہیں۔ نتیجتاً ایک طرف ان کے کاروبار ٹھپ پڑ چکے ہیں اور دوسری طرف یہ اذیت ناک سفر۔ سردی کے دن ہیں' صرف دس منٹ کی ملاقات کے لئے کتنی سخت تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس درد کو وہی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)